DAMAGE BOOK

UNIVERSAL LIBRARY
OU_226032
UNIVERSAL LIBRARY

وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر

ترجمہ

کوئی ایسی امت نہیں گزری جس میں کوئی نذیر نہ بھیجا گیا ہو

نبوّت

مرتبہ

میرزا سلطان احمد اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

گوجرانوالہ پنجاب

سنہ ۱۹۱۸ء

کاشی رام پریس لمیٹڈ لاہور میں باہتمام لالہ کاشی رام چھپی

۷۸۶

مقدمہ

ھٰذا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ

ھذا البصائر للناس

جو لوگ یا جو انسانی جماعتیں کسی نہ کسی رنگ میں ذات باری کی معترف ہیں۔ وہ باوجود جداگانہ مذاہب اور مشارب کے بھی۔ یہ یقین یا یہ اعتقاد رکھتی ہیں۔ کہ سب مخلوق اور سب کائنات کا ایک ہی خدا ہے۔ سب کا وہی خالق اور وہی رازق اور وہی داتا ہے۔ اگرچہ کوئی کسی مذہب کا ہی پرستار اور معتقد ہو۔ اس اتحاد یا اس توحد سے انکار نہیں کر سکتا +

یہ تو کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں نبی فلاں آتار خلاف قوم اور فلاں مذہب کا ہے۔ اور فلاں فلاں کا لیکن۔ یہ کوئی نہیں کہتا۔ کہ یہ خدا ہمارا ہے۔ اور وہ اُن کا۔ باوجود چند در چند اختلافات کے بھی یہ اشتراک نہ اُٹھ سکا۔ اور یہ سانجھا نہ ٹوٹا۔ قرآن مجید کے شروع ہی میں بالفاظ الحمد للہ رب العالمین

اس اتحاد و اشتراک کا اعلان کر دیا گیا۔ جن الفاظ میں یہ عالم گیر اعلان کیا گیا ہے۔ ان کی وسعت اور جامعیت ہی کہ

رہی ہے۔ کہ اس اعلان کا منشاء کیا تھا۔ دنیا کی دوسری قوموں اور دوسری امتوں پر بھی آسمانی کتابیں نازل ہوئی تھیں۔ اُن میں بھی نبی اور اوتار آئے ہیں۔ لیکن یہ قرآن مجید ہی کی خصوصیت ہے۔ کہ اس میں ایسا اعلان کیا گیا۔ اس عظیم الشان اور عالم گیر اعلان کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا گیا۔ کہ

قرآن مجید اور قرآن مجید کے لانے والا بھی بہ مصداق۔

(الف)۔ وما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔

(ب)۔ وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرًا ونذيرًا۔

(ج)۔ قل يا ايها الناس انى رسول الله اليكم جميعاً۔

کافہ انام اور کل مخلوق کی خاطر نازل اور مبعوث ہُوا ہے۔ رسول مقبول (صلعم) کو یہ ایک ایسا طرّہ رسالت عام نصیب ہُوا ہے جس سے کوئی دوسرا نبی اور اوتار ممتاز نہیں ہُوا۔ اس کے ساتھ ہی رسول عربی پر نبوت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ گو کہ اس ذات اقدس کے اتباع سے بہ مصداق

"العلماء امتی کانبیا ...... بنی اسرائیل۔

مسلمانوں میں صدہا لوگ مجدّدانہ رنگ میں فیض یاب ہو چکے ہیں۔ اور ہوتے رہیں گے۔ مگر نبوت کا باب رسول کریم بعد ہی ختم ہو گیا ÷ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاءُ

بعثت رسول عربی (صلعم) سے پہلے جس قدر نبی مختلف امتوں اور مختلف قوموں کی طرف مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ انکی نبوت یا اُن کی نبوت کی حدود صرف اُن ہی اقوام اور ان ہی امم تک

محدود تھے۔ ان کی نبوتیں ہمارے حضرت کی طرح عالمگیر نہیں تھیں بائیبل اور دیگر کتب مذہبی کے مطالعہ سے یہ روشن اور واضح ہوسکتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل اور دیگر قوموں میں جس قدر نبی مبعوث ہوئے ہیں۔ ان کی بعثت محض اُن ہی محدود گروہوں کے واسطے تھی۔ جب حضرت موسےٰ علیہ السلام ملک مصر میں تشریف لے گئے۔ تو بالخصوص ان کی یہ غرض نہیں تھی۔ کہ فرعون اور فرعونیوں کو ہدایت اور تبلیغ کی جاوے۔ بلکہ اس سفر سے مدعا یہ تھا۔ کہ ان کے دست تعدّی سے بنی اسرائیل کو رہائی دلائی جاوے۔ ممکن ہے۔ کہ اس ضمن میں تبلیغ کا بھی خیال ہو۔ مگر اصل مدعا رہائی ہی تھا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت اور نبوت بھی محدود ہی تھی وہ صرف یہود کے واسطے ہی پیغام لائے تھے۔ اب جو اُن کی نبوت اور بعثت ایک بعثت عامہ کے رنگ میں پیش کی جاتی ہے۔ یہ بعد کی تجویزات اور مشورتوں کا اثر ہے۔ انجیل شریف حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی کوئی ایسی آیت نہیں پیش کرسکتی۔ جو حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت اور بعثت کو عالمگیر ثابت کرتی ہو حضرت ممدوح نے پھر عمر بھر ایسا دعوےٰ بھی نہیں کیا۔ اور نہ دوسری قوموں اور دوسرے ممالک کو دعوت دی۔ وہ بعثت کے ساتھ ہی چند مقامی مشکلات میں گھر گئے۔ اور اس وجہ سے اُنہیں تبلیغ عامہ کا موقع ہی نہ مل سکا۔ یہود و نصارا کو چھوڑ کر جب ہم دنیا کے دیگر مذاہب اور اُن کے کتب پر بھی نظر کرتے ہیں۔ تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُن کے اوتار اور ان کی کتابیں بھی مختص اور محدود ہی

تھیں۔ ہنود اہل بدھ اور پارسیوں کا موجودہ طریق بھی ثابت کر رہا ہے۔ کہ ان کے محترم اسلاف اور اتاروں و رکھیوں کا کبھی یہ منشاء نہیں ہوُا۔ کہ دامن تبلیغ دوسری اقوام تک بھی پھیلایا جاوے ✦

دعوتِ اسلام

نبی اسلام نے مبعوث ہوتے ہی بہ فحوائے

"لقالوا الیٰ کلمتہ سواء بیننا و بینکم

ایک تحدی اور ایک زور کے ساتھ ایک عام اعلان کر دیا۔ اور صرف اپنے اردگرد کے لوگوں کو ہی نہیں۔ ایران ۔ حبش اور روم میں بھی دعوتی مراسلے بھیجدیئے۔ اور اس زور اور صداقت سے کل مذاہب اور کل اقوام کو دعوت کی۔ کہ ایسی قومیں اور ایسے مذاہب اس تبلیغی جرأت سے حیران رہ گئے۔ وہ قوم جو بعثت رسول سے پہلے ساری دنیا کی نظروں میں ناکارہ اور بُت پرست تھی۔ دنوں ہی میں پیغام وحدت اور پیغام رسالت لے کر اقصائے دنیا میں پھر نکلی۔ وہ اینٹ جو ردّی کر دی گئی تھی۔ آخر بڑے بڑے محلوں اور عالیشان ایوانات کی زیب و زینت ثابت ہوئی ✦

خوش قامتے بہ چشم نرم جا گرفتہ است
سروے عجب بریں لب جو پا گرفتہ است

اسلامی تبلیغ کا یہی شروع ہے۔ اور اسی پر خاتمہ بھی ہوتا ہے۔ آیت (تعالوا الیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم) کا مطلب یہ ہے کہ اس مرکز پر آجاؤ۔ جو شروع ہی سے قدرت مقرر کرچکی ہے +

نقطہ خیال اسلام کے روئے سے بہ فحوا ہے۔

وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا +

ترجمہ) پہلے سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے۔ بعد میں اُن کے اندر اختلاف پیدا ہوتا گیا) +

اسلام کوئی جدید مذہب نہیں ہے۔ وہی پُرانا مذہب ہے۔ جو صدیوں سے پہلے نبیوں۔ پہلے اتاروں اور پہلی اقوام کو دیا گیا تھا۔ بہ فحوا ہے اِنَّ ذٰلِکَ لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی +۔ یعنی یہی قرآن (اسلام) پہلے صحیفوں میں تھا۔ اور یہی ابراہیمؑ اور موسےٰؑ کے صحائف میں بھی ہے +

اسلام صرف ایسی پرانے مذہب کی تجدید کرنا یا تجدید چاہتا ہے۔ امتوں میں رفتہ رفتہ اختلاف ہونے کی وجہ سے پرانی صداقتیں اور پُرانے احکام صراط مستقیم سے دور ہٹتے گئے۔ افراط و تفریط کی وجہ سے لوگ حقیقت سے بیگانہ ہوتے گئے۔ مشیت ایزدی جوش میں آئی۔ اور عرب سے ایک رحمت کی بدلی اُٹھی۔ جو ساری دنیا میں برس گئی +

پرانہ رشتہ اور پرانی وحدت یاد دلاکر ساری دنیا کو یہ دعوت دی گئی۔ کہ اس مرکز پر آجاؤ۔ جو کہ مرکز وحدت ہے۔ اور جو اسلاف کا مسلک تھا۔ امتًا واحِدۃً ان معنوں میں نہیں کہا

گیا۔ کہ دنیا کی سب امتوں اور سب قوموں کا ایک ہی نبی تھا۔ یا ایک ہی کتاب تھی۔ بلکہ ان معنوں میں کہ دنیا کے مختلف نبیوں کا دین اور مذہب ایک ہی تھا۔ اور شروع میں سب قومیں ایک ہی رشتہ مذہب میں منسلک تھیں۔ اور سب کا ایک ہی مشن اور ایک ہی مشرب تھا۔

سب نبی واجب التعظیم ہیں

قرآن کہتا ہے:۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ

جب دنیا کے سب نبی اور سب اوتار ایک ہی مذہب اور ایک ہی مشرب کے پیرو تھے۔ اور قدرت نے بھی ایک ہی مذہب دیا تھا تو لازمی ہے۔ کہ سب نبیوں کی تعظیم اور تصدیق کی جاوے۔ اور ان سب پر ایمان لائیں۔ دنیا کے سب مذاہب اور دنیا کی سب سماوی کتابوں اور دنیا کے سب نبیوں میں سے صرف مذہب اسلام۔ قرآن مجید اور رسول عربی (صلعم) ہی کی یہ خصوصیت اور یہ کشادہ دلی ہے۔ کہ وہ سب قوموں اور سب امتوں کے نبیوں پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں۔ کوئی دوسرا مذہب دوسری کتاب اور دوسرا نبی اس کشادہ دلی سے ایسا حکم نہیں دیتا۔

میری رائے میں دوسرے مذاہب ایسا اعلان کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ وہ دنیا کا آخری اور مشترکہ مذہب نہیں تھے۔ ان کا تبلیغی دائرہ محدود تھا۔ اسلام چونکہ سب کے بعد آیا۔ اور اس

کے لانے والا کافہ انام کی طرف مبعوث ہوکر خاتم الکتاب۔ اور خاتم النبیین قرار پایا۔ اس واسطے یہ کشادہ دلی اسی کے حصہ کی تھی۔ اور ایسا اعلان وہی کرسکتا تھا۔

این قرعہ فال بنام محمدؐ بزدند۔

آج دنیا کے مذاہب میں سے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب اور قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جو ایسی تعلیم دیتی ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا کشادہ دل مذہب ہے۔ جو اس شدومد سے لانفرق بین احد من رسلہ کا اعلان کررہا ہے۔ نبیوں میں سے صرف ایک رسول عربی ہی ہے۔ جو کل امتوں اور کل قوموں کے نبیوں کی تصدیق اور ان کی تعظیم کا سبق دیتا ہے۔ دیکھو آیت بالا میں کس زور اور کس تاکید سے کہا گیا ہے۔ کہ

ایک مسلمان مسلمان ہوکر نفس رسالت میں نبیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرسکتا۔ اور ہر مسلمان پر واجب ہے۔ کہ ہر قوم کے نبی پر ایسے ہی ایمان لائے۔ جیسے خود اپنے نبی پر لاتا ہے۔ جو مسلمان ایسا نہیں کرتا۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ کیا اس سے بھی زیادہ کوئی کشادہ دلی اور ایمانداری ہوگی۔ کیا کوئی دوسرا مذہب بھی ایسی نظیر پیش کرسکتا ہے۔

مسلمان دوسری امتوں اور دوسری قوموں کے نبیوں کو بلحاظ نفس نبوت اسی عزت اور اسی احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جس عزت اور جس احترام سے اپنے باعتبار نفس نبوت نبی (صلعم) کو دیکھتے ہیں۔ زمانہ کی بے مہری کا بھی کچھ حساب ہے جو مذہب

جو کتاب اور جو نبی دوسری امتوں اور دوسری قوموں کے نبیوں اور اولیا اللہ کو باین تعظیم دیکھتا اور ان کی تصدیق اور تکریم کی خاطر اپنی امت کے لوگوں کو لا نفرق بین احد من رسلہ کا سبق دیتا ہے۔ اس کی شان عظمےٰ میں بھی بعض جلد باز لوگ کچھ کا کچھ کہنے سے دریغ نہیں کرتے ؎

فغاں کاں بے وفا حق وفا را
بہ حرفے کرد باطل باکہ گویم

صداقت پژوہی اور حقیقت پرستی کی جو واجبی حد تھی۔ اور جہاں تک ایمان داری اور کشادہ دلی اجازت دیتی تھی۔ اسلام اور قرآن اور نبی اسلام وہ مرحلہ پورا کر چکا۔ اب دوسری امتوں اور دوسری قوموں کا یہ اپنا کام اور اپنا مذاق ہے۔ کہ وہ ایک ایسے کشادہ قلب رسول کی شان محترم میں اچھا کہیں یا برُا۔

دوستاں با وصف بے تقصیریم
کردہ زلف کافرش زنجیریم

لوگ قران مجید غور سے نہیں پڑھتے۔ ورنہ انہیں معلوم ہو جاوے کہ وہ کیسی وسعت اور کیسی کشادہ دلی رکھتا ہے۔ چونکہ اسلامی نقطہ خیال سے قران مجید ایک آخری صحیفہ سماوی اور اسلام ایک آخری دین اور رسول (صلعم) خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں۔ اس واسطے بہ مخوا ہے

"وَلٰکِنْ رَّسُولَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔

لازمی تھا کہ دنیا میں جو جو باتیں معادیات کے متعلق نزول قران

مجید اور بعثت رسول عربی کے پہلے متنازعہ ہیں اُن کا بوجہ احسن فیصلہ کر دیا جاوے - من جملہ ان کے دو باتیں بالخصوص متنازعہ ہیں :-

(الف) - کیا شروع ہی سے ایک مذہب یعنی مذہب اسلام دیا گیا تھا - اور ہر قوم اور امت کا نبی اُسی ابتدائی مذہب اسلام کا مناد - اور پرچارک تھا ؟

(ب) - کیا ہر قوم اور ہر امت کی طرف نبی یا اوتار بھیجے جاتے رہے ؟

پہلے امر کی بابت شروع کی آیت سے پتہ لگ سکتا ہے - اسلامی مسلمات کے تحت شروع میں ساری دنیا کا ایک ہی مذہب تھا - یا یہ کہ قدرت نے شروع میں ایک ہی مذہب کی تبلیغ کی تھی - ہر قوم کا نبی اور ہر امت کا اُوتار ایک ہی قسم کا پیغام لایا تھا - اور ایک ہی قانون پیش کیا گیا تھا - اگر خدائے قدیر ایک ہے - تو اُس کی نبوتیں رسالتیں اور اُس کا قانون مذہب بھی ایک ہی ہونا چاہیئے تھا - اور اگر خدا نعوذ باللہ دو تین ہیں تو مذاہب بھی دو تین ہونے چاہیئے - جس طرح نظام عالم ایک ہی قانون کے تحت تکمیل پذیر ہے - اسی طرح نظام مذہب بھی ایک ہی ہونا چاہیئے - خدا نے مختلف قوموں اور مختلف امتوں کی طرف جس قدر نبی اور اوتار بھیجے - وہ سب کے سب ایک ہی مشن اسلام کے مناد تھے - اُن سب کا رُخ ایک ہی طرف تھا - اور ان سب کی غرض ایک ہی تھی - جو لوگ یہ کہتے ہیں - کہ

مذاہب شروع ہی سے مختلف اور متضاد یا جداگانہ تھے - وہ خدا اور نظام الہامیہ کو نعوذ باللہ ناقص ثابت کرتے ہیں - خدا بھی ایک ہے - اور اس کا الہام اور قانون مذاہب بھی ایک ہے - اس کے نبی اور آثار بھی ایک ہی مسلک کے سالک اور ایک ہی دعوت کے داعی اور ایک ہی مشن کے مناد تھے +

یا دش بدل کافر و دیندار یکے است
چون رشتہ کہ در سبحہ و زنار یکے است
گر چشم بصیرت تو باز است شرف
در دیر و حرم جلوۂ دیدار یکے است

حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر علیہ الرحمۃ

اس بات کے فیصلہ کے واسطے کہ شروع میں قدرت نے ایک ہی مذہب اسلام دیا تھا - تم سب مذاہب کی کتابوں اور تعلیمات کا مقابلہ کر کے دیکھ سکتے ہو - کہ مختلف مذاہب کی کتنی باتیں اصولی رنگ میں ملی جلی ہیں - اور کہاں تک اُن میں اتحاد ہے - جس طرح سب انسانی نسلیں اور سب انسانی زبانیں آپس میں بوجوہ ملتی جلتی ہیں - اسی طرح مذاہب بھی ملتے جلتے ہیں +

جسطرح دنیا کی اور باتوں میں رفتہ رفتہ اختلاف ہوتا گیا اسیطرح مذہب میں بھی اختلاف ہوتا گیا

قرآن شریف کی آیت بالا میں اسی طرف اشارہ ہے - کہ مذہب تو ایک ہی تھا - بعد میں لوگوں نے اختلاف کرتے کرتے مختلف عقیدے گھڑ کر مختلف طریقے اختیار کر لئے +

جب انسان کی دوسری باتوں میں اختلاف ایک طرف اور

اتحاد اولیہ ایک جانب ثابت ہے۔تو مذاہب کی بعض باتوں میں مقابلتاً اختلاف ہو جانا کوئی انوکھی بات نہیں۔اس قسم کے اختلافات پانچ طرح سے جاگزیں ہوتے ہیں:۔

(الف)۔سوء فہمی سے۔

(ب)۔غلط تاویلات اور فریب دیہہ تعبیرات کے تحت

(ج)۔غلط روایات کی وجہ سے۔

(د)۔ضد و نفسانیت کی صورت میں۔

(و)۔غلط عقیدت کی وجہ سے۔

دنیا کے موجودہ مذاہب کا تنقیدی رنگ میں جائزہ لیکر دیکھو گے۔تو

اختلافات کی بڑی بڑی صورتیں ان ہی وجوہ سے ثابت ہونگی۔اس سے کوئی مذہب خالی نہیں۔چونکہ انسان مقابلتاً بہ فحوائے آیت

وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۔

ترجمہ۔تمام مخلوقات کے مقابلہ میں انسان زیادہ جھگڑالو ہے)

ایک مجادل اور مکابر طبیعت رکھتا ہے۔اور بعض وقت بعض رسمیات اور غلط فہمیوں کی وجہ سے صراط مستقیم چھوڑ دیتا ہے۔اس واسطے مذاہب میں بھی رفتہ رفتہ اختلاف ہوتا گیا۔اگر خدا چاہتا۔تو یہ اختلاف بہ فحوائے

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ۔

مٹا بھی دیتا یا مٹا بھی سکتا تھا۔ لیکن چونکہ دنیا میں ہر ایک شے کی قدر و منزلت بالاضداد ہوتی ہے۔ جب تک ظلمت نہ ہو۔ نور کی کیا قدر ہو سکتی۔ اور کیا قیمت پڑ سکتی ہے۔ جب تک سچ نہ ہو۔ کذب کی بُرائی کس طرح ظاہر ہو۔ جب تک نیکی نہ ہو۔ بدی کا احساس کس طرح ہو۔ اس واسطے انسان کو عقل و فراست دیکر ایک حد تک آزاد چھوڑ دیا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو انسان عذر مجبوری پیش کر کے طالب برءیت ہوتا۔ اور دوسری طرف خدائے تعالےٰ ایک کامل قانون بھی دے چکا تھا۔ بایں حالات حضرت انسان کی یہ اپنی ڈیوٹی تھی۔ کہ ایسے اختلافات سے بچتا۔ اخیر پر ایک خاتم النبیین یا اخیر نبوت کے ذریعہ سے بھی یہ بات دنیا پر واضح کر دی گئی۔ کہ جن اختلافات کی وجہ سے ابتدائی مذہب یعنی اسلام میں تفرقہ پڑ گیا ہے۔ وہ سب نمائشی اور مابعدی ہیں شروع میں۔ ایک ہی مذہب تھا۔ اور وہ اسلام تھا۔ بعد میں اُس کے مختلف نام ہوتے گئے۔ تمام دنیا کے نبی اور اوتار ایک ہی پیغام لیکر آئے تھے۔ اور اُن سب کا مشن ایک ہی تھا ⁂

اُمت واحدہ سے مُراد

قرآن مجید میں جہاں جہاں امت واحدہ کا ذکر آیا ہے۔ اُس سے یہ مراد نہیں۔ کہ ایسی امتیں سوائے اصول مذہب

نے اور امور میں بھی متحد تھیں۔ یا اور مراحل میں ایک ہی مسلک رکھتی تھیں۔ باوجود ایک ہی مذہب رکھنے کے بھی دوسری باتوں میں انتیں اختلاف بھی رکھتی تھیں۔

عبادات کے طریقوں میں جزواً اختلاف تھا۔ اگرچہ غرض اور غایت ایک ہی تھی۔ مگر طریق عمل میں گونہ فرق تھا۔ یہ فرق اُس وقت تک نہیں اُٹھ سکتا تھا۔ جب تک کہ ایک عام نبوت کا دور نہ آجاتا۔ اور جس طرح خدا ایک ہے۔ اُسی طرح سلسلہ نبوت کو بھی ایک نہ کر دیا جاتا۔ اور ایک ہی نبی ایک ہی مشرب کا مشن لے کر کافہ انام کی طرف مبعوث نہ ہوتا۔ چونکہ پہلے ادوار نبوت میں دور نبوت اور دائرہ تبلیغ محدود ہوتا تھا۔ اس واسطے طرز عبادت میں بھی کسی قدر فرق کا ہونا منافی حقیقت نہیں ہوسکتا۔ ایسا جزئی فرق اُس وقت دور ہوسکتا تھا۔ جبکہ ایک آخری اور عالم گیر نبوت کا دور آجاوے سورت حج میں مولائے کریم فرماتے ہیں۔

لکل امتہ جعلنا منسکاً ھم ناسکوہ فلا ینازعنک فی الامر و ادع الیٰ ربک انک لعلیٰ ھدًی مستقیم و ان جادلوک فقل واللہ اعلم بما تعملون ۵

ترجمہ۔ ہم نے ہر ایک امت کے لئے عبادت کے طریقے مقرر کر دئے ہیں۔ جن پر وہ چلتی ہیں۔ تمہارے زمانہ کے لوگوں کو چاہئے۔ کہ اُس طریق پر چلیں۔ جو اسلام تعلیم دیتا ہے۔ اور تم اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بلاتے چلے جاؤ۔

کچھ شبہ نہیں - کہ تم سیدھے راستہ پر ہو - اور اگر لوگ تم سے جھگڑا کریں - تو تم اُن سے کہدو - کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے ؛

اس آیت سے یہ اولجھن دور ہو جاتی ہے - کہ بعثت رسول صلعم کے بعد کل مناسک عبادات جو اس سے اول مختلف امتوں میں معمول اور رائج تھے - بہ صورت نماز تبدیل کر دئے گئے ہیں جو جامع اطوار عبادات مختلفہ ہے - جس میں سب مذاہب دنیا کے طریقے شامل ہیں - چونکہ اسلام ہی ایک ابتدائی مذہب اور مذاہب مختلفہ کا ایک اصلی جوہر ہے - اس واسطے اُس کا طریق عبادت بھی کل مذاہب دنیا کی عبادات کا جامع ہے - ایک طرف کل مذاہب دنیا کے طرق عبادت اور دوسری طرف اسلامی نماز رکھ کر دیکھ لو - نماز میں قریباً وہ سب طریقے پائے جاوینگے جو دیگر مذاہب میں معمول ہیں ؛

ہر مذہب میں عابدین کے بلانے کے واسطے مختلف طریقے مقرر ہیں - اسلام میں (اذان) بہ صدائے اللہُ اکبر اللہ اکبر ایک ایسا اعلےٰ اور جامع طریقہ ہے - کہ جس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا طریقہ موزوں نہیں خیال کیا جا سکتا - یہ صدا نہ تو کسی دوسرے مذہب کے خلاف ہے - اور نہ اس میں کوئی ایسا جزو ہے - جو کوئی مفہوم نہ رکھتا ہو - وہ کون سا مذہب ہے - جو خدا کو سب طاقتوں سے ممتاز اعلےٰ اور اکبر نہیں سمجھتا - وہ کون سا مشرب ہے - جو اس تکبیر اور تقدیس کی منافی ہے

چونکہ قران مجید سب دیگر مذاہب کو ابتدائی دین اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ اس واسطے اُس کا طریق دعوت عبادت بھی جامع تجویز ہؤا۔

ارکان نماز اگر مختلف مذاہب کے طرق عبادت پر فرداً فرداً تقسیم کر دئے جاویں۔ تو وہ نہ تو کسی مذہب کے طرق عبادت کے مخالف ثابت ہونگے۔ اور نہ اُن میں کوئی زائد اور بے مصرف حصّہ پایا جاوے گا۔ نماز کے ارکان کا ہر حصّہ کسی نہ کسی مذہب کی عابدانہ ردیف میں آجاتا ہے۔ نماز اجمالی اور تفصیلی دونوں رنگوں میں حامل طرق مختلفہ ہے۔ نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے۔ وہ نہی عابدانہ رنگ میں کسی مذہب کے منافی نہیں ہے۔ بڑا حصّہ نماز کا توحید ہے۔ یہ وہ حصّہ ہے۔ جو راس المذہب ہے۔ اور جس کے سوائے کوئی مذہب سرسبز نہیں ہو سکتا۔ نماز کے سوائے اور جس قدر طریق مخصوصہ عبادات کے ہیں۔ اسلام اور قران مجید اُن کی بھی سوائے اس کے کہ ان میں شرک کا جزو نہ ہو۔ تکذیب نہیں کرتا۔ البتہ اُن عبادات کی ترمیم کرتا ہے۔ جن سے انسانی قوتیں اور انسانی جذبات صحیح طور پر کام دینے سے رُک جاتے ہیں۔ یہ مصداق لارہبانیۃ فی الاسلام +

امت وسطی

چونکہ مذہب اسلام ایک مجددانہ رنگ میں دیگر مذاہب کے

اخیر پر حقائق سابقہ کی تائید اور تصدیق کرتے ہوئے بہ فحوائے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (وجود پذیر ہوا۔

ترجمہ۔ اسی طرح ہم نے تم کو امت وسطی بنا دیا ہے۔ تاکہ اور لوگوں کے مقابلہ میں تم گواہ بنو۔ اور تمہارے مقابلہ میں محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گواہ بنیں) ٭

اسلام کا نام مذہب وسطی اس واسطے رکھا گیا ہے۔ کہ وہ اخیر پر آکر اصلی احکام کی اشاعت کرے گا۔ جو ہر رنگ میں معتدل ہونگے۔ اور یہ کہ بہ مقابلہ دیگر مذاہب کے اسلام ایک حد اوسط واقعہ ہوا ہے۔ اور اس میں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں۔ جو کسی وقت دوسرے مذاہب کی حقیقت اور اصلیت تھیں۔

سب قسم کے حواشی اور زوائد اڑا کر اسلام میں محض وہ حقیقت رکھی گئی ہے۔ جو ایک ابتدائی اور ایک متفقہ مذہب میں مودعہ تھی۔ اور جس کی تجدید کے واسطے اسلام آیا ہے ٭

اسی آیت میں تعبیر امت وسطی کی وجہ بھی بتا دی گئی ہے پڑھو فقرہ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ تاکہ اسلام اور مسلمان کل مذاہب کے صحیح طریقوں اور صحیح اعتقادات پر عمل کرنے سے دوسروں کے مقابلہ میں ایک عملی شہادت ہوں آیت کریمہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ٥

اس دعوے کا ثبوت ہے کہ کل دنیا کے نبیوں پر باوجود

دوسری امتوں کی مناقشت کے بھی ایمان لانا امت وسطی کی ایک واضح اور خوش کن تفسیر ہے۔ کیا روے زمین پر کوئی اور بھی ایسا مذہب اور ایسی امت ہے۔ جو اس فراخ دلی سے مشاہیر دیگر اقوام کا خیر مقدم کرتی ہو۔ قرآن مجید کا یہ حکم اور اسلام کا یہ رویہ قرآن مجید اور اسلام کی صداقت پر ایک مستند مہر ہے۔

چونکہ یہ امت امت وسطی تھی۔ اس واسطے ایک دوسری آیت میں یہ بھی واضح کر دیا گیا۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۵

ترجمہ۔ اور تم میں سے ایک گروہ کا یہ بھی فرض ہو گا۔ امور خیر اور امور حق کی جانب غیر قوموں اور دوسری نسلوں کو بُلاتا رہے۔ اور بہ تحت حکم (اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ) اُن کے کانوں تک وہ بات پہنچا دیوے جو قرآن مجید اور اسلام کی غایت مقدم اور فرض اوّلین ہے۔

۷۸۶

اسلام

اِنَّ الدِّین عِندَ اللّٰہِ الاِسلَام

چونکہ مذہب اسلام سب مذاہب اور ادیان سابقہ کا ایک خلاصہ یا ایک اوسط صحیح تھی - یا یہ کہ یہی مذہب سب کا مذہب تھا- اس واسطے اس مذہب کا نام بجائے اس کے کہ کسی کی شخصیت پر رکھا جاتا - بہ پہلوے مقتضیات فطرت اسلام ہی رکھا گیا- اور اس کے پیروان کو بہ فحواے

ھو سمّاکم المسلمین

ربّنا واجعلنا مسلمین

مسلمان کہا گیا - بعض مذاہب باوجود سماوی مذاہب ہونے کے بھی بعض شخصیتوں سے منسوب ہیں- اسلام کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے- کہ وہ ایک ذاتی نام رکھتا ہے- آیات

ان الدین عند اللہ الاسلام اور

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و

رضیت لکم الاسلام دیناً ط
میں صاف طور پر کہا گیا ہے۔ کہ جو دین پیش کیا جاتا ہے
اس کا نام اسلام ہے۔ اور اللہ کے ہاں وہی مقبول ہے۔
اور اسلام ہی ایک کامل اور آخری دین ہے۔ اور وہی
دنیا کے واسطے پسند کیا گیا ہے +

اسلام ایک فطری مذہب ہے۔ اور لغت میں اسلام
کے معنی فطرت کے بھی ہیں۔ چونکہ فطرت صحیح ہر ایک گروہ
کے نزدیک مستند اور واجب التعظیم ہے۔ اور وہی اسلام
ہے۔ اس واسطے یہ دین اسلام سے موسوم ہوا +

چونکہ یہ مذہب فطرتی رنگ میں کسی شخصیت کا حامل اور
مقتدی نہیں۔ اس واسطے یہی مذہب تمام مذاہب دنیا
کی قائمقامی اور تجدید کا کفیل ہو سکتا ہے۔ چونکہ اسلام
کسی شخصیت کا پرستار نہیں۔ اس واسطے اس میں
جو فراخ دلی بہ مقابلہ دیگر مذاہب کے نبیوں اور اوتاروں
کے بارہ میں پائی جاتی ہے۔ وہ کسی اور مذہب میں نہیں پائی
جاتی +

یہ کشادہ دلی اسی پر ختم نہیں ہو گئی۔ یہ بھی کہدیا گیا۔
ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ ط
دوسرے مذاہب کے دوسرے لوگوں اور دوسرے
بزرگوں کو بھی (اگرچہ ان کی کچھ ہی پوزیشن ہو) جنہیں وہ خدا
کی طرح یا خدا کا ثانی اور روپ سمجھتے ہیں۔ بُرا نہ کہو +

یہ تعلیم بھی مسلمانوں ہی سے مخصوص ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو دیگر مذاہب کے ہر ایک قسم کے بزرگوں کی تعظیم کرنا سکھاتا ہے۔ اگرچہ ان کی عرفی حالت اور عرفی پوزیشن عقاید اسلام کے کیسے ہی منافی ہو۔

رسول کریم کی ایک حدیث ہے:۔

جو مجھ سے پہلے آئے ہیں۔ (بشرطیکہ وہ منکر خدا نہ ہوں) ان کی شان میں کچھ نہ کہو۔

چونکہ مذہب اسلام مجددانہ رنگ میں سب کے بعد میں آیا۔ اس واسطے یہ اس کا فرض اوّلین تھا۔ کہ سب کو درجہ بدرجہ رکھے۔ اور دیگر مذاہب کے مشاہیر اور بزرگوں کی واجبی تعظیم سے روگرداں نہ ہو۔ اُن لوگوں کو بھی بُرا نہ کہے۔ جو بعض مذاہب کی اپنی روایات کے مطابق ہی جادہ حقیقت سے منحرف ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ ایسے لوگوں کے ذمہ بعض ضعیف روایات کے تحت ایسی باتیں لگا دی گئی ہوں ظنوا المومنین خیراً۔

کُل امتّوں کے

(نبی)

قرآن مجید میں دنیا کی کل امتوں کے نبیوں اور اتاروں

کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ صرف چند نبیوں ہی کا ذکر ہوا ہے۔ بہ فحوائے ذیل

ورسلاً قد قصصناھم من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک ہ

ترجمہ۔ کتنے پیغمبروں کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اور کتنے پیغمبروں کا ذکر نہیں بھی کیا گیا۔

یہ بات ایک ذکر کرنے والے کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ کہ بعض کا ذکر کرے۔ اور بعض کا نہ کرے قرآن مجید نبیوں اور اتاروں کی فہرست نہیں۔ کہ اس میں سب نبیوں کا ذکر کیا جاتا۔ صرف ان ہی نبیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن کے ذکر کی ضرورت ذکر کرنے والے نے سمجھی۔ بائبل اور دیگر سماوی کتابوں میں بھی سارے نبیوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور یہ کوئی نقص کی بات نہیں۔ جو روش پہلی سماوی کتابوں کی تھی۔ قرآن مجید نے بھی وہی اختیار کی ہے۔

ذکر انبیا ایک دوسرے (رنگ میں)

اگرچہ قرآن مجید میں کل نبیوں کا ذکر نام بنام نہیں کیا گیا۔ اور یہ عدم ذکر مستلزم عدم انبیا علیہم السلام کا نہیں لیکن اجمالی رنگ میں یہ جتایا گیا ہے۔ کہ ان نبیوں کے سوائے

مختلف قوموں یا مختلف امتوں میں اور نبی بھی آئے ہیں - اس کے مقابلہ میں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں - کہ دوسری امتیں اس کی مدعی بھی نہیں ہیں - اور قرآنی نقطہ تبلیغ کے روے سے ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے - کہ دوسری امتوں میں بھی وقتاً فوقتاً نبی مبعوث ہوتے رہے ہیں - اور اُن میں بھی نذیر اور بشیر آتے رہے ہیں - صرف کسی ایک امت کو ہی یہ شرف نہیں دیا گیا - اور امتیں بھی یہ شرف رکھتی ہیں - ہند میں بھی نبی آئے - چین میں بھی - شام میں بھی - ایران میں بھی - رہی یہ بات کہ فی الواقعہ کون کون سے نبی مختلف امتوں میں مبعوث ہو چکے ہیں - اور کس کس امت کو یہ شرف حاصل ہؤا ہے - اور اُس کا معیار کیا ہے - اور کس طرح یہ طے ہو - فلاں فلاں بزرگان امت مہر نبوت رکھتے تھے - اور ان کی فلاں فلاں امت تھی - اس کا فیصلہ خود قرآن مجید ہی نے کر دیا ہے - جو نبی یا جس کی نبوت و فطرت اور نصاب اسلامی و ضابطہ قرآنی سے ملتی ہے - اور ملت حنفیہ کا عکس ہے - وہ داعی نبی ہے - اور اس کی نبوت ٹکسالی ہے - اور جس نبی کی تعلیم حواشی اور زوایدہ دور کر دینے کے بعد بھی اس دائرہ سے باہر رہتی ہے - وہ نبی اور اس کی کتاب بحث سے خارج ہے +

اس تنقید اور اس بحث میں بے شک یہ مشکل پڑیگی کہ گزشتہ نبیوں کے حالات اور تعلیمات میں بہت کچھ

گرد برد پچ گئی ہے۔ وہ اصول دین حقہ یعنی دین اسلام جو ایسے نبیوں کا مطمح نظر تھا۔ رفتہ رفتہ بعض نمایشی رسوم اور غلط تاویلات یا فریب دہ اجتہادات کے تحت گم ہوتا گیا لیکن باوجود ان مشکلات کے بھی اصلی تعلیم کبھی چھپی نہیں رہ سکتی۔ چشم بصیرت تاڑ ہی جاتی ہے۔

وہ جواہر صداقت جو حقیقی نبوت کی کان سے نکلتے ہیں باوجود انواع واقسام کے گرد وغبار کے بھی چھپے نہیں رہتے اور ایک غور کرنے اور جانچنے والا کچھ نہ کچھ نکال ہی لیتا ہے۔ جب ہم قرآن مجید کی یہ تعلیم مقدم رکھ کر کہ

"ہر امت میں اپنے اپنے وقت پر کوئی نہ کوئی رسول اور نبی بھیجا گیا ہے۔"

تحقیق کرتے ہیں۔ تو کچھ نہ کچھ پتہ لگ ہی جاتا ہے دیکھو ایک ہوشیار نیاریا زرگر کی دکان کے کوڑہ کرکٹ سے سونے اور چاندی کے ریزے نکال ہی لیتا ہے۔ تلاش سے ہیرے خاک میں سے بھی نکل آتے ہیں۔ نیاریے کو یقین ہوتا ہے۔ کہ اس تودۂ خاک میں سے ضرور کچھ نہ کچھ ملے گا۔ قران مجید نے نقادان رسالت کے واسطے ایک گر مقرر کردیا ہے۔ یہ گر مقدم رکھ کر پتہ لگانے والوں نے آخر بہت کچھ پتہ لگا ہی لیا۔ کہ فلاں فلاں امت میں فلاں فلاں نبی گذرے ہیں۔ اور ان کی فلاں فلاں کتابیں۔ اور فلاں فلاں صحائف ہیں۔

جب یہ گر مان لیا جاوے - کہ کوئی امت بھی شرف رسالت اور فیض نبوت سے خالی نہیں رہی - تو تحقیقات سے کچھ نہ کچھ پتہ لگ ہی جاتا ہے ؛

فلسفیانہ استدلال

اگر یہ سوال کیا جاوے - کہ اس بعثت عامہ کی ضرورت کیا تھی - تو یہ جواب ہے - کہ

رب رب العالمین ہے - صرف کسی ایک قوم کا ہی رب نہیں - بہ مصداق الحمد للہ رب العالمین - جیسے اس کا افعالی قانون اور افعالی نظام کل مخلوق کے واسطے ہے - ایسے ہی الہامی قانون اور نظام روحانیت بھی ساری قوموں اور سب نسلوں کے واسطے ہونا چاہئے - جس طرح خدائے قدیر نے ہر شخص اور ہر قوم کو ظاہری قوتیں اور باطنی قوتیں دے رکھی ہیں - اسی طرح باب روحانیت بھی ہر قوم کے واسطے کھلنا چاہئے تھا ؛

ربوبیت کا ثبوت اسی صورت میں مل سکتا ہے - جب ہر ایک قسم کے فیضان معاونی اور معاشری سے ہر ایک قوم علےٰ قدر مراتب پر مستفید ہو یہ وجہ ہے - کہ امتوں میں وقتاً فوقتاً نبی اور اوتار پیدا ہوتے رہے - بنی اسرائیل کی کوئی خصوصیت نہ تھی - کہ اُن کو تو متواتر نبی دئے جاویں - اور

اہل ہند کو کوئی نبی نہ دیا جاوے۔ یہود تو صاحب نبوت ہوں۔ اور عرب فیضان نبوت سے خالی رہے +

پہلی کتابوں میں مشرحاً اس فیضان عام کا ذکر نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید میں بوجہ اس کے کہ وہ ایک آخری کتاب ہے۔ اور اس کا لانے والا بھی خاتم النبیین تھا۔ مفصلاً ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور ختم نبوت کے ساتھ ہی اس کا بھی فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ کہ ہر ایک امت پر یہ حجت پوری کر دی گئی ہے۔ اور جو جماعت ایک امت کا درجہ رکھتی تھی۔ وہ اس فیضان سے محروم نہیں رہی +

خاتم النبیین اُسی صورت میں آسکتے تھے۔ کہ ہر ایک امت کی نبوتوں کا دَور پورا ہو جاوے۔ جب دنیا کی کل امتیں اپنا اپنا دور ختم کر چکیں۔ اور سب کو حصّہ رسدی مل چکا۔ تو پھر دَور نبوت کے ختم کرنے والا نبی بھیجا گیا +

آخر آمد بود فخر اوّلین

لفظ خاتم ہی یہ ظاہر کر رہا ہے۔ کہ جب کل امتیں اپنا اپنا حصّہ لے چکیں۔ تو وہ شخص مبعوث ہوُا۔ جو ادوار نبوت کو ختم کرنے والا تھا۔ اور جس کی ذات یہ باب بند کر کے ایک دوسرے رنگ میں برکات نبوت کی یہ مصداق اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔

تقسیم کرنے والی تھی۔
جو مذاہب اور جو انبیں فیضان نبوت صرف اپنے ہی تک محدود رکھتی ہیں۔ یا تو رب العالمین سے انکار کرتی ہیں۔ اور یا دامن خدائی تنگ و تاریک کرکے اپنی ذات تک ہی محدود رکھتی ہیں۔ کسی ایک قوم کا یہ حق نہ تھا۔ کہ صرف وہی اس فیضان کی مستحق قرار پاتی۔ اور دوسری قومیں اخیر تک محروم رہتیں۔ تواریخ غور سے پڑھوگے۔ تو تمہیں مان لینا پڑیگا۔ کہ دنیا کی بہت سی قومیں سیاست و حکومت کی بھی ایک عزت کے ساتھ حصہ دار رہی ہیں۔ بہ فحوائے

تلک الایام ندا ولہا بین الناس۔

یہ تداول ایام محض مادی حکومتوں ہی سے وابستہ نہیں روحانی امور سے بھی متعلق ہے۔ اس صورت میں کیوں کوئی قوم اس روحانی تداول سے چھوڑی جاسکتی تھی۔ ہر امت کا یہ حق تھا۔ کہ وہ خدائی فیضان سے علیٰ قدر مراتب اور علے قدر استعداد مستفیض ہو۔ اور الہامی رنگ میں واقفیت پیدا کرے۔ الہام ضمیر اور صحیح فطرت سے وابستہ ہے۔ اور قدرت نے ہر قوم اور ہر قوم کے افراد کو ضمیر اور فطرت بخش رکھی ہے۔ اور ہر قوم میں سے بعض لوگ قدرتاً ایک صحیح ملکہ بھی رکھتے ہیں اور نسبتاً ممتاز ہوتے ہیں۔ ایسی بعض ممتاز روحیں معادی خدمات کے لئے بھی چنی گئی ہیں۔ اور اُن پر باب الہام اور باب نبوت کھل چکا ہے۔ اور یہ سلسلہ دنیا میں اُس

وقت تک جاری رہا جب تک اس سلسلہ کا ختم کرنے والا اور اُس پر مہر لگانے والا خط عرب میں مبعوث نہ ہوا۔ وہ محمدؐ صلعم تھے۔ وہی نبوت کی تمام کڑیوں کو ملا دینے والے ہیں۔ اور اُنہیں کی کڑی پر یہ زنجیر نبوت ختم بھی ہو جاتی ہے +

ختم نبوت پر ایک اور سلسلہ

یار عزیز موجب عمر دوبارہ است
یوسف خریدن تو زلیخا مبارک است

ایک طرف نبوت کی زنجیر مکمل ہو چکی۔ اور سب کڑیاں اپنے اپنے نمبر پر جڑ دی گئیں۔ کیونکہ کل امتوں کا دور فیضان نبوت کے متعلق باری باری ختم ہو چکا تھا۔ دوسری طرف خاتم النبیین بھی آ چکا تھا۔ خاتم النبوت کے آنے کا یہ اثر تو نہیں ہونا چاہئے۔ کہ برکات نبوت کا باب ہی بند ہو جاوے۔ نبوت کا خاتمہ اور معنے رکھتا ہے۔ اُس کے ساتھ برکات نبوت کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خاتم النبیین کی ذات اقدس کے فیوض ختم نبوت سے ختم نہیں ہو سکتے۔ جب تک قدرت کا باب رحمت بند نہ ہو۔ تب تک ان کا خاتمہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور انسانی ہستیاں کیونکر فیضان سرمدی سے محروم رہ سکتی ہیں +

ـــــ

ناصح چہ دہی پند کہ از دیدن خوبان
من صبر ندارم دگرے داشتہ باشد

چونکہ یہ پیاس بجھنے والی اور یہ خواہش مٹنے والی نہیں تھی اس واسطے قدرت نے خاتم النبیین کے منہ سے کہلوا ہی دیا۔

العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

معلوم نہیں۔کہ رسول پاک کے دہن مبارک اور زبان فیض ترجمان سے یہ دو تین جملے کس مبارک وقت میں نکلے یہ یمن و برکت حضرت رسول کریم دنیا میں اس قسم کے بھی لوگ پیدا ہوئے۔کہ جن کی زندگیاں اپنی برکات اور فیوض وسیرت حسنہ کے اعتبار سے باوجود نبی نہ ہونے کے بھی بنی اسرائیل کے نبیوں سے کم نہیں ہیں۔گو وہ نبی نہ تھے۔مگر برکات نبوت سے خالی بھی نہیں تھے۔اگر عہد بنی اسرائیل میں ہوتے۔تو وہ نبیوں میں ہی شمار ہوتے۔چونکہ مشیت ایزدی کے تحت باب نبوت ختم ہو چکا تھا۔اس واسطے ایسے لوگ مجدد۔ ابدال۔قطب اور ولی کے نام سے موسوم ہوئے۔

آیت اکملت لکم دینکم الخ میں جن تکمیلات کا ذکر کیا گیا ہے۔ان میں ایک یہ تکمیل بھی تھی۔کہ ختم نبوت کی وجہ سے برکات نبوت کی تقسیم ایک دوسرے رنگ میں کیجاویگی اور فیض روحانی کو وسیع پیمانہ پر کر دیا جاویگا۔تاکہ اسلام ان برکات کی وجہ سے ایک زندہ مذہب کا درجہ رکھے۔اس سے زیادہ اور کیا زندگی ہوگی۔کہ اتباع احمدی سے مسلمان

وہ درجہ اور وہ احترام پا سکتے ہیں۔ جس کی نظیر بنی اسرائیل کے نبیوں میں ملتی ہے۔ بہ طفیل حضرت رسول مقبول اسلام میں آج بھی نبیوں کی شان کے ہوئے۔ ایک زندہ روح کام کر رہی ہے۔ بزرگان ملت اور مشاہیر اسلام کے حالات پڑھ کر تم خود ہی فیصلہ کر سکتے ہو۔ کہ اتباع محمدؐ صلعم سے روحوں میں کیسی طاقت اور کیسی ندرت آ جاتی ہے۔ اور روحیں کس جوؔ صدق و صفا میں پرواز کرتی ہیں۔ اور کن بروج مشیدہ تک ان کی پرواز اور رسائی ہوتی ہے ؞

ایک شبہ کا جواب

اگر یہ کہا جاوے۔ کہ

اب باب نبوت کیوں بند ہو گیا۔ اور اب کیوں مختلف امتوں میں نبی اور اوتار مبعوث نہیں ہوتے ؞

تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ

قدرت کے دفاتر میں ہر چیز اور بڑھتی کا ایک دور مقرر ہے۔ جب کل امتوں کا دور نبوت ختم ہو گیا۔ اور دوسری طرف بہ فحوائے پیشین گوئی حضرت یسعیا علیہم السلام

النبوت فی العرب و بنی قیدار

کا دور بھی ختم ہو کر رسول عربی پر باب نبوت بند کر دیا گیا تو پھر تشریعی یا غیر تشریعی نبی کی حیثیت میں کسی اور نبی کا آنا ضروری نہ

تھا۔ ہر چیز کا بہ مصداق لکل امت اجل ایک زمانہ اور ایک دور ہوتا ہے۔ نبوتوں کا بھی ایک دور تھا۔ جو عرب کی سرزمین میں آکر ختم ہوگیا۔ بائیبل شروع ہی سے ایک آخری نبی کی بابت پیشن گوئی کرتی آئی ہے۔ اور اُسی پر اُس نے دور نبوت کا خاتمہ بھی کیا ہے۔ اس آخری دور کے بعد کسی .... دوسرے دور نبوت کی بابت پیشین گوئی نہیں کی گئی۔ ایک طرف یہ دور نبوت مشیت ایزدی کے تحت بند اور ختم ہوا۔ اور دوسری طرف وہ ملکہ اور وہ شان جو نبوت سے مربوط تھی۔ اُسے ایک دوسرے رنگ میں تبدیل کرکے وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین کی پیشگوئی پوری کر دی گئی۔

جو مدعائے روحانی پہلے نبوتوں کے رنگ میں حاصل ہوتا تھا۔ وہ اب اتباع خاتمہ النبیین سے حاصل ہو رہا ہے۔ اور اب جو ضرورت پڑتی ہے۔ وہ اس رنگ میں پوری ہو جاتی ہے۔ بایں حالات بعثت نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ مجدد دانہ رنگ میں الہی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں۔ اور بہ مصداق حدیث العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ایسے مجدد بھی وہی برکات یا ایسی برکتوں کا حصہ کثیر رکھتے ہیں۔ جو بعض نبی رکھتے تھے۔ اگرچہ انہیں نبی تو نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ رسول کریم کی نبوت نے آئندہ کے واسطے نبیوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ لیکن ان

کی ذات برکات نبویہ سے مستفیض اور متبرک ہوتی ہے۔ اور یہ بات صرف اقتدائے رسول کریم ہی سے حاصل ہوسکتی ہے ؂

مفہوم اُمّت

قرآن مجید میں جہاں جہاں یا جن جن آیات میں یہ کہا گیا ہے کہ ہر امت میں نبی بھیجا گیا ہے۔ اور ہر امت کے مقابلہ میں حجت تبلیغ پوری کردی گئی ہے۔ اُن آیات میں امت سے مراد وہ بڑے بڑے گروہ ہیں۔ جو نسلوں فرقوں اور دیگر اعتبارات کے لحاظ سے ایک امت شمار ہوسکتے ہیں نہ کہ وہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں اور قوموں کے چھوٹے چھوٹے حصے جو ایک ہی امت کی شاخیں اور ذریات ہیں۔ مثلاً جب امت ہنود کی بحث ہوگی۔ تو اُس میں وہ تمام نسلیں اور تمام گروہ شامل ہونگے۔ جو نسلی اور ملکی اعتبارات سے جماعت ہنود میں شامل ہیں۔ اگرچہ ایسے لوگ کیسے ہی دور و دراز ممالک میں چلی گئیے ہوں اور بوجہ بُعدِ زمانہ اور اختلاف آب و ہوا و رسوم وضرورںیات کے کیسا ہی اُن میں فرق ہوگیا ہو۔ وہ ہندوستان میں ہوں۔ یا کسی اور ملک میں یورپ میں ہوں۔ یا تاتار میں۔ وہ ایک ہی سلسلہ امت میں محسوب ہونگے؂

جب بنی اسرائیل کی قوم زیر بحث ہوگی۔ تو اس میں وہ

کل قومیں اور کل شاخیں آجاوینگی - جو نسل بنی اسرائیل سے قریبی یا بعیدی تعلق رکھتی ہیں - اگرچہ وہ شام میں ہوں - یا کشمیر اور افغانستان میں یا ایران اور عرب میں یا مشرق اور مغرب میں جب عربوں کا ذکر ہوگا - تو بلحاظ ایک امت کے کل اہل عرب اُس سے مراد ہونگے *

اس سلسلہ میں لسانی اعتبارات اور لسانی اشتراکات کی بنا پر بھی بحث کی جاسکتی ہے - وہ قومیں جن کی زبانوں میں اشتراک ہے - وہ ایک ہی امت شمار ہونگی - جب قرآنی رنگ میں یہ کہا جاتا ہے - کہ ہر امت کی طرف نبی بھیجا گیا ہے - تو ہمیشہ اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے - کہ ان امتوں کی طرف جو اصولی رنگ میں امتیں کہی جاسکتی ہیں - نہ کہ ان کی اندرونی شاخوں کی طرف امت سے وہ امت مراد ہے - جو اپنے اجزاے مشترکہ کو بھی محیط ہو - یا وہ امت جو نسلی اور مرکزی اعتبارات سے ایک ہی سلسلہ رکھتی ہو - نہ وہ شاخیں جو اس سے وقتاً فوقتاً جدا ہوتی گئیں - اور جو اس وقت دیگر ناموں سے موسوم ہیں - امت سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی امتیں اور چھوٹے چھوٹے گروہ بھی ہیں - جو باعتبار مورث اور زبان کے ایک جدگانہ گروہ ہیں - اور جن پر ایک صحت اور ایک جامعیت کے ساتھ لفظ امت کا اطلاق ہوسکتا ہے *

ایک دوسرا سوال

قرآن مجید میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ قریوں میں بھی نبی بھیجے گئے ہیں۔ مثلاً

(۱) وما ارسلنا فی قریۃٍ من نبی الا اخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلکم یضرعون ط

(۲)۔ وما ارسلنا فی قریۃٍ من نذیرا ط

میری رائے میں قریہ سے مراد قریہ ہی نہیں۔ بلکہ وہ لوگ جو اُس میں بود و باش رکھتے ہیں۔ اور وہ کسی نہ کسی امت یا گروہ کا حصہ ہونگے۔ یا یہ کہ اُن کی کوئی نہ کوئی قوم ہوگی۔ اور جب کوئی نبی بھیجا جاتا ہے۔ تو وہ سارے ملک میں ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی شہر اور قریہ اُس کا دار القرار اور دار الولادت اور دار النبوت ہوتا ہے۔ اور وہیں سے اُس کی بعثت اطراف امت میں اشاعت پاتی ہے۔ چونکہ ایسا قریہ دار الولادت نبی بھی ان ہی حدود نبوت میں داخل ہوتا ہے۔ اس واسطے لفظ قریہ کا استعمال کیا گیا ہے۔ ایک دوسری آیت میں یہ شبہ ایک دوسری طرح بھی رفع کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

ولو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیر۔

ترجمہ۔ اگر خدا چاہتا۔ تو قریہ قریہ میں بھی نبی بھیج دیتا) +

اس آیت سے صاف ہوگیا۔ کہ قریہ سے مراد ہر قریہ ہے

جو اندر حدود بعثت ایک نبی کے ہوتا ہے۔ اور ہر نبی کی بعثت اور نبوت ایک قریہ یا ایک شہر اور قصبہ ہی کے حدود سے دور دراز حصوں میں پھیلتی ہے ؛

شروع ہی میں کیوں ایک نبی نہ بھیجا گیا

یہ بھی سوال ہوسکتا ہے۔ کہ

کیوں شروع ہی میں ایک ہی نبی نہ بھیجا گیا۔ بار بار بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو ایسا ہی سوال ہے۔ کہ دنیا میں بعض ہستیاں کیوں بار بار پیدا ہوتی ہیں۔ اور کیوں بہت سی چیزیں ایک ہی دفعہ پیدا نہیں کی گئیں۔ قانون قدرت کی تنقید تو ہم حدود بشری کے اندر اندر کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے ضابطہ میں کسی قسم کی ترمیم کرنا ہمارے حدود اختیاری سے باہر ہے۔ جو قاعدہ مقرر کیا گیا ہے۔ وہ بہ فحوائے لا تبدیل لخلق اللہ بندہ تبدیل نہیں کر سکتا۔ اگر خدا خود تبدیل کر دے۔ تو یہ دوسری بات ہے۔ کیونکہ وہ فعال لما یرید ہے؛

شروع سے ایک ہی نبی اور ایک ہی ہادی مستقل طور پر اس واسطے نہ بھیجا گیا۔ کہ شروع شروع میں ہر ہادی اور ہر نبی اپنی ہی قوم میں بھیجا جاتا رہا۔ اور ایسی ضرورت بھی

تھی - تاکہ ایک آخری آنے والے مرسل کا راستہ صاف کیا جاوے - یہ قول ایک بنی اسرائیلی نبی علیہ السلام کے -

"میرا جانا اس واسطے ضروری ہے - تاکہ وہ آوے"

نسلیں مختلف ہیں اور امتیں گوناگون - اگر ایک ہی نبی مستقل شروع ہی میں ہمیشہ کے واسطے بھیجا جاتا - تو آنے والے نبی کے واسطے راستہ صاف نہ ہوتا - اور ہر امت مبلغ تبلیغ سے محروم رہتی - جب کل قومیں رفتہ رفتہ خوگیر ہوگئیں - اور اُن کی طبائع میں الہامی سکہ جمتا گیا - تو اخیر پر ایک ایسا نبی بھیجا گیا - اور ایک ایسی کتاب دی گئی - جو سب نبیوں اور کتابوں کی جامع اور مفسر تھی - جب تک ہر ایک امت کے الہامات اور نبیوں کا دور ختم نہ ہوجاتا - تب تک آخری نبوت کا دور کس طرح آ سکتا تھا - اور کس طرح وہ باتیں جو اُسی کی ذات اقدس سے مخصوص تھیں - پوری ہوسکتیں - اگر ایک مستقل نبی ہوتا - تو وہ صرف کسی ایک ہی قوم اور ایک ہی نسل میں سے ہوتا - اس صورت میں دوسری قوموں اور دوسری نسلوں کی باری ہی نہ آتی - حالانکہ یہ منشائے قدرت ہر امت کا یہ حق تھا - جب کل امتوں کو حصہ رسدی باری باری ...... مل چکا - اور سب کا دور ختم ہوگیا - تو ایک خاتم النبیین و سید المرسلین بھیجا گیا - جو سب پرانے مذاہب کو تجدیدی رنگ میں پیش کرکے ایک ہی مرکز پر جمع ہونے کی تبلیغ کرتا ہے جو کوئی نیا مذہب نہیں لایا - بلکہ وہی مذہب جو سب نبیوں اور سب اوتاروں کا

مذہب تھا۔ اور جو سب امتوں کے نبیوں کو وقتاً فوقتاً دیا گیا تھا۔ یہ موقعہ تھا۔ کہ ایک ہی نبی پر اب نبوت ختم کر دیا جاوے یہ نبی بلحاظ اپنی بعثت کے ایک جداگانہ نبی تھا۔ اور باعتبار کل انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کے مجدد ہونے کے سب نبیوں اور سب اتاروں کی صحیح تعلیمات اور شروع کے مذہب اسلام کا مفسر اور مبصر وہ وعدہ جو مدتوں سے کیا جاتا رہا۔ آخر وادی عرب میں آکر پورا ہوا۔ اور اس کے پورا ہونے پر دور نبوت بھی ختم ہو گیا ٭

نبیوں کی درجہ بندیاں

قرآن مجید اور اسلام اگر ایک طرف مساوات کا سبق دیتا ہے۔ تو دوسری طرف بہ مصداق۔

تلک الرسل فضلنا بعضھم علےٰ بعضٍ وکیف فضلنا بعضھم علےٰ بعضٍ۔

درجہ بندیاں بھی کر رکھی ہیں۔ یہ درجہ بندیاں مختلف وجوہ پر ہوتی ہیں :۔ مثلاً

(۱)۔ باعتبار خصائل۔

(۲)۔ باعتبار سیرت۔

(۳)۔ باعتبار ملکۂ قدرتی۔

(۴)۔ باعتبار فضائل۔

(۵) - باعتبار خدمات -
(۶) - باعتبار قوائے وجذبات -
(۷) - باعتبار مشن -
(۸) - باعتبار نقطہ نوازی -
(۹) - باعتبار ضرورت -

مناظر قدرت اور مظاہر عالم کے مطالعہ اور مشاہدہ سے بھی ثابت ہے - کہ قانون درجہ بندیوں کے تحت نظام عالم میں سب اشیاء کی درجہ بدرجہ درجہ بندیاں ہو رہی ہیں - اور اسی میں حسن کائنات اور حسن نظام عالم متصور ہے - اگر یہ درجہ بندیاں نہ ہوتیں - تو کچھ لطف نہ ہوتا - دیکھو - خود انسان کی ساخت میں کیسی موزون اور مناسب درجہ بندیاں کی گئی ہیں - سر اور پاؤں میں فرق ہے - آنکھوں اور کانوں میں فرق ہے - انگلیوں میں فرق ہے - اگر ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں ایک ہی ناپ اور ایک ہی پیمانہ کی ہوتیں - تو ہاتھ اور پاؤں یوں کام بھی نہ دے سکتے - اگر سر سے پاؤں کا کام لیا جاوے - اور پاؤں سے سر کا تو بات ہی نہ بنے - یہ قدرتی درجہ بندی ہی کا اثر ہے - کہ سہولت سے کام چل رہا ہے - ذرا ہاتھ کی انگلیاں برابر کر کے تو دیکھو - وہ طاقت اور وہ گرفت نہیں رہے گی - جو موجودہ قدرتی صورت میں ہے - سب لوگ انسانیت اور شرف انسانیت میں برابر ہیں - لیکن عرفی مدارج میں تفاوت اور امتیاز رکھتے ہیں - جس طرح ہاتھ کی انگلیوں میں تفاوت ہے *

نفس نبوت میں سب نبی برابر ہیں۔ لیکن فرائض نبوت اور مدارج نبوت میں فرق ہے۔ بہ مصداق

وقد فضلنا بعض النبیین علےٰ بعضٍ

یہ درجہ بندی مشن اور خدمات کے اعتبار سے ہے۔ قرآن مجید میں ان ہی خدمات کے اعتبار سے نبیوں کا ذکر کیا گیا ہے ؛

اقسام نبوت

باعتبار مشن خدمات ملکہ اور درجے کے نبوت کی قسمیں حسب ذیل ہو سکتی ہیں :-

(۱)۔ تشریعی نبی۔

(۲)۔ نبی النذیر۔

(۳)۔ نبی البشیر۔

(۴)۔ نبی البشیر و نبی النذیر۔

(۵)۔ نبی مختص القوم۔

(۶)۔ نبی مختص المقام۔

(۷)۔ نبی تائیدی۔

(۸)۔ نبی تصدیقی۔

(۹)۔ نبی کافۃ انام خاتم النبیین وسید المرسلین۔

پہلی امتوں میں ایسے بزرگوں کو بھی نبی کے نام سے موسوم

کیا جاتا رہا ہے - جن کا مشن اور جن کی خدمات بالکل محدود تھیں - جیسے کہ حضرت مجدالدین الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے - کہ بعض امتوں میں ایسے نبی بھی مبعوث ہوئے ہیں - جن کے صرف ایک دو ہی ماننے والے تھے۔

چونکہ رسول عربی صلعم کی بعثت کے بعد باب نبوت بند ہو گیا ہے - اس واسطے جو لوگ اس کے بعد کمالات نبوت سے بہ اتباع حضرت رسول کریم صلعم فیض یاب ہوتے ہیں - اُن کا نام بہ مصداق

العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

حسب ذیل ہوتا ہے :-

(الف) - مجدد -

(ب) - امام -

(ج) - مجتہد -

(د) - ابدال -

(ہ) - قطب -

(ز) - غوث -

(ح) - ولی -

آں حضرت صلعم سے پہلے جس قدر نبی گذرے ہیں - اُن میں سے بعض بالقاب وجیہ حکمت اللہ - کلیم اللہ روح اللہ خلیل اللہ وغیرہ وغیرہ ملقب تھے - اور اکثر نبی صرف نبی کا لقب ہی رکھتے تھے - بنی اسرائیلی نبیوں میں سے اکثر

ایسے نبی بھی گزرے ہیں۔ جن کی خدمات بہت ہی تھوڑی۔ یا محدود ہیں۔ یا یوں سمجھ لیجئے۔ کہ اُن میں سے بعض کی خدمات روحانی کا دائرہ اس قدر تھا۔ جیسے امت محمدیہ کے بعض اولیا اللہ کا ہے۔ امت محمدیہ کے مشاہیر میں سے بعض کی خدمات روحانی کا دائرہ بنی اسرائیلی نبیوں سے کہیں زیادہ تھا۔ اور ان کی خدمات روحانی کا نتیجہ اُن سے بھی زیادہ رہا ہے۔ کیا ہم اس سلسلہ میں اصحاب کبار ائمہ مقدسہ حضرت غوث اعظم جنید۔ شبلی۔ داتا گنج بخش۔ حضرت خواجہ اجمیری۔ حضرت حسن بصری۔ حضرت قطب الدین۔ حضرت نظام الدین اولیا۔ اور حضرت بابا فرید شکر گنج علیہم الرحمۃ کا ایک فخر کے ساتھ نام نہیں لے سکتے۔ ان کی خدمات روحانی بنی اسرائیل کے بعض نبیوں سے کم نہیں رہی ہیں۔ ہاں بایں ہمہ ہم انہیں نبی نہیں کہ سکتے کیونکہ دور نبوت ختم ہو چکا ہے۔ اگر دور نبوت ختم نہ ہو جاتا۔ تو تحت حدیث العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ان کی خدمات بھی کم نہیں تھیں +

حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت کا بہت سا حصہ تائیدی تھا۔ اگرچہ وہ ایک اولے العزم اور وجیہ نبی ہیں۔ مگر بہ مقابلہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ان کی خدمات روحانیہ محدود ہیں امتوں کی وجاہت اور مقدار کے لحاظ سے بھی خدمات انبیا علیہم السلام کا موازنہ ہوتا ہے۔ جس نبی کی شان میں۔ وما ارسلناک الا رحمتہ" للعالمین کہا گیا ہو۔ اس کی روحانی

خدمات کا اندازہ اور پیمانہ بھی اسی قدر ہوگا*

رسول عربی صلعم کی نبوت عالم گیر ہے۔ چونکہ یہ نبوت ایک آخری نبوت تھی۔ اسی واسطے کل امتوں کو محیط ہے۔ اور ہر امت کی نبوتوں کا اُسے مظہر اور جامع قرار دیا گیا ہے۔ ذات محمدؐی اور نبوت محمدؐی کل انبیاء علیہم السلام کی روحانی تعلیمی اور تجدیدی رنگ میں مظہر اور جامع ہے۔ اور وہی خاتم النبیین اور سید المرسلین ہے*

آخر آمد بود فخر اوّلین

۷۸۶

الہام اور نبوت کی ضرورت

بعض لوگوں کے خیال میں الہام اور نبوت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جب ہر انسان عقل و فراست رکھتا ہے۔ تو پھر کیوں ایک دوسرا صیغہ کھولا جاوے*

فطری تمیز بھی ہمیں دی گئی ہے۔ جس کی امداد سے اور بھی کام ہوتے ہیں۔ اور وہی ایک دلی شریعت اور ضابطہ۔ ہدایت بھی ہے۔ کیا اکثر اوقات ہماری ضمیر اور ہماری کانشنس ہماری ہدایت کا موجب نہیں ہوتی ہیں۔ اس بات سے انکار نہیں۔ کہ ہماری ضمیر بھی ایک قوت رکھتی ہے۔ اور ہمیں عقل و فراست بھی عطا ہو چکی ہے۔ اور یہ دو نو قوتیں کچھ نہ

کچھ رہنما بھی ہیں - اور عقل و فراست پر ہی دنیا کی اکثر باتوں کا مدار ہے- لیکن یہ خیال کہ ہمیں ان کے مقابلہ میں کسی اور ضابطہ کی ضرورت ہی نہیں - ایک غلطی ہے۔

عقل و فراست اور قوت ضمیری خود ہی ایک دوسرے ضابطہ کی تلاش میں رہتی ہے- کیا ہر شخص اپنے گھر کا انتظام نہیں کرتا اور ہر شخص اپنے معاملات میں خود مختار نہیں ہے- لیکن پھر بھی عقل و فراست اور قوت ضمیری ایک ضابطہ حکومت کے ماتحت رہنا زیادہ تر پسند کرتی ہے- عقل و فراست اور قوت ضمیری کا یہ فیصلہ ہے - کہ اگرچہ ہر شخص اور ہر کنبہ بجائے خود ایک اختیار اور ایک حکومت رکھتا ہے- لیکن ایک ملک یا ایک مقام کے مختلف الاغراض کنبوں اور خاندانوں کے واسطے یہ بھی ضرورت ہے - کہ کوئی مخصوص ضابطہ اُن پر حکومت کرے- اور چند امور میں اونہیں ایک ہی ضابطہ کے نیچے رہنے کا حکم دیوے - اگرچہ حکومت اور ضابطہ حکومت کوئی ہی رنگ رکھتا ہو- ہر ملک اور ہر قوم میں اس کی ضرورت پڑتی ہے- وہ قومیں جو خانہ بدوش اور آئینی حکومتوں کے ضبط و بسط سے آزاد بھی ہیں- وہ بھی ایک چھوٹے سے پیمانہ پر ایک ضابطہ اور ایک امیر یا سردار رکھتی ہیں- اُن کی بہتری بھی سوائے اس کے متصور نہیں- ان چھوٹے چھوٹے گروہوں پر کیا موقوف ہے- ایک کنبہ میں بھی جب تک کوئی ایک کارکن اور سربراہ نہ ہو- تب تک گھر کا کام نہیں چلتا- اگر لڑکے اور لڑکیاں یہ کہیں - کہ ہمیں کسی ضابطہ تعلیم اور

اُستاد کی ضرورت نہیں - تو انہیں کون عقلمند کہیگا - اور ان کی تربیت اور تعلیم کس طرح ہوگی - ہماری زندگی کے دو حصے ہیں وہ جدا جدا بھی ہیں - اور کسی حد تک مشترک بھی ؛

(الف) - حصہ وجدانی یا حصہ معادی -

(ب) - حصہ معاشری -

ان دونوں حصوں کے ڈانڈے کہیں مل بھی جاتے ہیں - اور کہیں جدا بھی ہو جاتے ہیں ؛

معاشری قوانین کا تعلق زیادہ تر مادیات اور جسمانیات سے ہوتا ہے - اگرچہ وجدانیات بھی ان قوانین سے ایک حد تک متاثر ہوتے ہیں - لیکن زیادہ تر مادیات اور جسمانیات ہی اثر پذیر ہوتے ہیں معاشری قوانین کسی ایک ہی شخص یا ایک ہی عقل و تجربہ کا نتیجہ نہیں ہوتے - مختلف مشاہدوں اور تجربوں کے بعد ایک قانون مرتب ہوتا ہے - اور پھر واقعات اور حالات کے تبدیل ہونے سے وقتاً فوقتاً ترمیم اور تبدیلی بھی ہوتی رہتی ہے - کیا تم دیکھتے نہیں ہو - کہ مختلف سیاسی حکومتوں کے قوانین میں آئے دن کس کس قسم کی ترمیمات اور تبدیلیاں ہوتی ہیں - اور قوانین کے کس قدر انبار رفتہ رفتہ تیار ہوتے جاتے ہیں - یہ ہے ہماری اور تمہاری عقل و فراست کا نمونہ بے شک ہر شخص ایک ضمیر رکھتا ہے - اور ہر شخص کی ضمیر کو ایک قوت بھی دی گئی ہے مگر ضمیر بھی جو پلٹے کھاتی ہے - وہ بھی ترمیم قوانین سے کم نہیں سیاسی قوانین ہمیشہ جسمانیات اور مادیات پر حکومت کرتے ہیں -

دلوں پر ان کی حکومت نہیں ہوتی۔ بقاعدہ معاشری صبغہ کے ضروری ہے۔ کہ وجدانیات کا بھی ایک صبغہ ہو۔ ضمیر بھی کسی خارجی ضابطہ کے ماتحت کام کرے۔ بے شک عقل و فراست بھی ضمائر پر کسی حد تک حکمران ہے۔ مگر مختلف عقول کی خود غرضی اور خود روی اسی صورت میں بند ہو سکتی ہے۔ جب کوئی خصوصیت سے نگران ہو۔ دیکھو خود عقلمندوں میں کس قدر جھگڑے اور تنازعات ہوتے ہیں۔ دو عقل مند لڑتے ہیں۔ اور ان کا فیصلہ ایک دوسرا ضابطہ کرتا ہے۔ کبھی ایسے قانون کا نام سیاسی قانون ہوتا ہے۔ اور کبھی سوشل اور کبھی تمدنی اور کبھی قومی۔

انسان باوجود عقیل اور فہیم ہونے کے بھی ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کے جبری یا بیرونی قانون کے ماتحت رہنا پسند کرتا ہے۔ جب تک دنیا کے کاموں میں کسی نہ کسی حد تک جبر نہ ہو۔ تب تک معاشری کام بھی نہیں چل سکتے۔ انسان خود ہی اپنے واسطے کوئی نہ کوئی بیرونی قانون بنا لیتا ہے۔ اور پھر اس پر چلتا ہے مدعی اور مدعا علیہ جب عدالتوں میں جاتے ہیں۔ تو اُن کا فیصلہ ہمیشہ ایک جبری صورت ہی رکھتا ہے۔ فیصدی پانچ بھی عدالتوں کے فیصلوں پر رضامندی نہیں دیتے۔ بایں معنے کہ کوئی نہ کوئی فریق اُس سے ناخوش اور ناراض ہوتا ہے۔ اور اپنے حق میں اُسے ایک جبر خیال کرتا ہے۔ اگرچہ دونوں فریقوں میں سے ایک نہ ایک اپنے دل میں یہ فیصلہ بھی کر لیتا ہو گا۔ کہ عدالت کا فیصلہ کہاں تک صحیح ہے۔ لیکن مدیون ڈگری اور ملزم کبھی راضی

نہیں ہوتا۔ کیا ایسا شخص ایسا فیصلہ جبر پر محمول نہیں کرتا۔ جبر نہ کہو۔ ناراضگی میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ اگر خدائی دربار تک بھی لوگوں کو اپیل در اپیل کی رسائی ہوتی۔ تو بہت ہی کم لوگ خاموش رہتے بہ مصداق وکان الانسان اکثر شیئٍ جدلا۔

ان مثالوں سے آپ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ انسان ہمیشہ بیرونی قوانین یا کسی بیرونی طاقت کے بھروسہ پر زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ اور اسی میں وہ اپنی بہتری بھی دیکھتا ہے۔ اور یہی بات اس کی تسکین کا موجب بھی ہوتی ہے۔

جب ہر معاملہ میں انسان ایک خارجی ضابطہ کا پابند رہنا چاہتا ہے۔ تو کیوں معادیات اور روحانیات کے ضابطہ خارجی کی ضرورت نہیں۔ انسانی زندگی دو جہتیں رکھتی ہیں۔

(الف)۔ جہت جسمانی۔

(ب)۔ جہت روحانی۔

انسانی فطرت بھی اس پر شاہد ہے۔ قدرت نے انسان کو جو قوتیں دے رکھی ہیں۔ وہ بھی ایک قسم کا الہام یا الہامی ذریعہ ہی ہے۔ الہام کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)۔ الہام طبعی۔

(۲)۔ الہام سماوی۔

الہام طبعی وہ ہے۔ جو قدرت نے خود انسان کی فطرت میں ہی رکھ دیا ہے۔ ہر انسانی قوت ایک ملکہ رکھتی ہے۔ اور اُس ملکہ کی امداد سے وہ ایسے ایسے کام کرتی ہے۔ کہ ایک صورت

میں وہ ایک اعجازی رنگ رکھتے ہیں۔ کیا انسان نے اب تک جو جو مشینیں بنائیں۔ اور جو جو علوم وفنون نکالے ہیں۔ وہ الہام طبعی کا ثبوت نہیں دیتے۔ کیا یہ ثبوت اس بات کا نہیں ہے۔ کہ انسان کو ہمیشہ ان قوتوں کے ذریعہ سے طبعاً ایک قسم کا الہام ہوتا ہے۔ اور اس طبعی الہام کے زور سے وہ اختراعات پر کامیاب ہوتا ہے۔ انسان کے دل و دماغ میں یکایک ایک اعجازی خیال پیدا ہو جانا ایک طبعی الہام ہے۔ جب ایک طرف نظام معاشری اور نظام مادی کے مقابلہ میں بھی یہ سلسلہ رکھا گیا ہے۔ تو دوسری طرف نظام روحانی میں کیوں اس کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی طرح ایسے نظام کی ضرورت ہے۔ تو بالفاظ دیگر ایسے سلسلہ کا نام الہام سماوی اور نبوت ہوگا۔ ایک طرف مناظر قدرت کی کتاب افعالی رنگ میں کھول دی گئی ہے۔ اور دوسری طرف اقوالی اور افعالی دونوں۔ رنگوں میں ضابطہ الہام بذریعہ نبیوں کے دیا گیا ہے۔ نبی گویا عالم روحانی کے حکمران اور بادشاہ ہوتے ہیں۔ اور خود فطرت انسانی ہی اس کی موید ہے۔

جس طرح عقل و فراست کا دنیا میں احترام ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر الہامی احترام بھی ہے۔ عقل پرستوں کی جماعت سے الہام پرستوں کی جماعت کروڑ گنا زیادہ ہے۔ جو عقل پرست ہیں۔ اُن ہی کی تعداد اس جماعت میں بھی زیادہ ہے۔ عقل پرست ہی زیادہ تر الہام کے موید اور مصدق ہیں۔ [illegible] ہی نے اخیر پر یہ راہ دکھائی ہے۔ اور عقل ہی وثیقہ

الہام کی تصدیق اور تائید کرتی ہے۔کیونکہ الہام عقلی دائرہ سے باہر نہیں۔ الہام وہ قوت ہے۔ جو بالخصوص بعض مقبولان خدا کے حصہ میں آتی ہے۔

انسان کے دو حشر ہیں:-

(الف)۔ ایک حشر اولی۔

(ب)۔ اور ایک حشر ثانی

ایک قانون حشر اول کے واسطے ہے۔ اور ایک حشر ثانی کے لئے اگرچہ یہ دونوں قانون جداگانہ اغراض رکھتے ہیں۔ مگر ان میں ایک حد تک اشتراک اور اتحاد بھی ہے۔ جس طرح روح باوجود جسمانی نہ ہونے کے بھی جسم سے ایک وابستگی رکھتی ہے۔ اسی طرح۔ ان دونوں میں بھی ایک نسبت اور وابستگی ہے۔

قانون حشر اول قانون حشر ثانی کا محتوی نہیں۔ مگر قانون حشر ثانی ایک حد تک قانون حشر اول کو محتوی ہے۔ قانون حشر ثانی پر بھی عقل و فراست ہی مہر تصدیق لگاتی ہے۔ اور عقل ہی نے اُس کا فیصلہ بھی کیا ہے۔ اگر کثرت رائے پر قانون الہام کا فیصلہ ہو۔ تو فیصدی ۹۵ الہام کے حق میں ووٹ ہونگے۔

اس سے زیادہ اور کیا شہادت ہوگی۔ کہ خود عقل و فراست بھی اس کی حامی اور موید ہے۔ بایں حالات اس کی ضرورت سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کی قدر و قیمت میں کیا بٹہ لگ سکتا ہے۔ وجدانی حکومتوں اور وجدانی سلسلوں کے واسطے کسی درمیانی طاقت کی ضرورت ہے۔ اور وہ انبیا علیہم السلام ہیں۔ چونکہ الہامی

قوانین اور الہامی حکومتیں اکثر امور میں دنیاوی حکومتوں کی بھی محتوی ہیں۔ اس واسطے دونوں کی ہستی نسبتاً اعلےٰ اور ارفع ہے جیسے کہ ہاتھ۔ پاؤں۔ ناک اور آنکھ کے مقابلہ میں قوائے باطنیہ کو ایک شرف حاصل ہے۔

روح کے مقابلہ میں جسمانی اعضاء شرف نہیں رکھتے کیونکہ جسم کا مدار روح پر ہے۔ روح کا مدار جسم پر نہیں ہے۔ جسم تابع روح کے ہے۔ روح تابع جسم کے نہیں ہے۔ اگر قوائے باطنیہ قوائے ظاہریہ سے اشرف اور افضل ہیں۔ تو قانون سماوی ہی قانون معاشری سے اشرف اور افضل ہوگا۔ قانون وہی جامع اور افضل ہوگا۔ جو اخیر تک اپنے معتقدین کا ساتھ دے۔ معاشری قانون اسی زندگی میں ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن قانون سماوی دونوں زندگیوں میں کام دیتا ہے۔ اور روح کے ساتھ ہی دوسری دنیا یا دوسری زندگی میں بھی جاتا ہے۔

الہام کی اور بھی دو قسمیں ہیں:۔

(الف) ۔ الہام مختص

(ب) ۔ الہام غیر مختص

الہام مختص مخصوص ہے۔ اُن لوگوں کے ساتھ جو قانون الہامی کی اصطلاح میں نبی اور مرسل کہلاتے ہیں۔ اور جن میں سے بعض کو صحائف سماوی بھی دئے گئے ہیں۔ یہ اختصاص اس وجہ سے ہے۔ کہ اس صیغہ میں بھی اُسی طرح درجہ بندیاں ہیں جس طرح معاشری صیغوں میں ہیں۔

• یہ درجہ اُن ہی لوگوں کے حصہ میں آتا ہے۔ جو قدرتاً ایسا ملکہ اور ایسی طبیعت رکھتے ہیں۔ نبی قدرت کے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور اُن کی طبیعت ہی میں ملکہ نبوت رکھ دیا جاتا ہے۔ انہیں اوروں کی طرح محنت اور زہد و ریاضت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ بعد از حصول احترام نبوت جو کچھ کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کیواسطے ایک عملی تحریک ہوتی ہے۔ اور نیز یہ کہ ان کی طبیعت میں ہی ایک ایسا ملکہ ہوتا ہے۔ اور وہ زہد و ریاضت سے بھی رہ نہیں سکتے۔ اور نہ اُن کا ملکہ طبیعت یہ روش چھوڑ سکتا ہے۔ جس طرح ملکہ نبوت طبعی ہوتا ہے۔ اسی طرح اتقا اور عبادت کا شوق بھی طبعی ہوتا ہے۔ پھر اس شق اول کی بھی ایک اور قسم ہے۔ جو اسی کا ایک جزو ہے۔ جس کا نام ابتاعی یا ظلی الہام ہے۔ جب کبھی کسی شخص کو باتباع انبیا علیہم السلام اور کسی مسلمان کو باتباع رسول کریم صلعم ایسا الہام ہوتا ہے۔ تو اس کا نام ظلی یا اتباعی الہام ہوتا ہے۔ ایسے الہام کے واسطے شرط مقدم اتباع فیضان اور ظل محمدی ہے۔ ایسا الہام امت محمدؐی کے چیدہ چیدہ لوگوں کے حصہ میں آتا ہے۔ اور ان کی مقدار محدود ہوتی ہے۔ اور ان کی ہستیاں۔ مناسب اوقات اور مناسب از منہ میں وجود پذیر ہوتی ہیں۔ کوئی کسی وقت پیدا ہوتا ہے۔ اور کوئی کسی وقت کوئی کچھ حقیقت رکھتا ہے۔ اور کوئی کچھ کسی کے ذمہ ہمت پر کوئی خدمت لگائی جاتی ہے۔ اور کسی کے ذمہ پر کوئی کسی نام سے شہرت پاتا ہے۔ اور کوئی کسی سے لیکن ان میں سے کوئی شخص ملکہ نبوت نہیں رکھتا اگرچہ

برکات نبوت سے مستفیض ہوتا ہے۔ اور اگرچہ نبی کا ظل ہوتا ہے۔ کیونکہ ختم نبوت کے ساتھ ہی وہ خاص ملکہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جو خاتم النبیین کا ہی ورثہ ہو سکتا ہے۔ اگر ظلی صورت میں ویسا ہی ملکہ باقی رہے۔ تو خاتم النبیین کے کچھ معنے نہ ہونگے۔ اور

ولاکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

کی کوئی تاویل نہیں ہو سکے گی۔ اس آیت میں رسول کے بعد لفظ خاتم النبیین کا لایا جانا دلیل ہے۔ اس بات کی۔ کہ اس رسول نے آیندہ کے واسطے نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ یعنی اس رنگ میں کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ جس رنگ میں خاتم النبیین (رسول عربی) نبی تھے۔ لفظ (خاتم النبیین) نے آیندہ نبیوں پر مہر لگادی ہے۔ اور یہ سلسلہ اس رنگ میں بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ کہ برکات نبوت اور فضائل رسالت کا بھی انسداد ہو چکا ہے۔ اس ملکہ خاتم النبیین کے تحت ایک دوسرے رنگ میں برکات نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ جو لوگ وقتاً فوقتاً اس سے مستفیض ہوتے ہیں۔ ان کی ہستیاں مختلف ناموں سے تعبیر پاتی ہیں۔ کبھی مجدد کبھی ابدال کبھی غوث اور کبھی ولی۔

الہام غیر مختص وہ الہام ہے۔ جو مختص الہام سے بہت کچھ نیچے ہوتا ہے۔ چونکہ انسانی فطرتوں میں نبوت الہام مختص کے واسطے ایسا الہام شناس ملکہ بھی رکھا گیا ہے۔ یعنی انسانی فطرت میں ایسا ملکہ بھی رکھ دیا گیا ہے۔ کہ جس کے ذریعہ سے انسان الہام

کی شناخت اور تنقید کر سکے۔ اور اس سے مستفید اور ممتیز بھی ہو سکے۔ اس واسطے اور لوگوں کو بھی ایک غیر منقید الہام ہو جاتا ہے۔ یعنی اُن کے دلوں میں ہی الہاماً بعض باتیں ڈالی جاتی ہیں۔

تم دیکھتے نہیں ہو۔ کہ قدرت کے القاء یا الہام سے مکھی شہد کی کس طرح مختلف پھلوں پھولوں سے شہد چوستی ہے۔ اور کس حکمت سے شہد بناتی ہے۔ مکھی کی کیا بضاعت ہے۔ کہ خود بہ بخود ایسا سامان مہیا کر سکے۔ یہ بات قدرت ہی کی طرف سے اُس کے دماغ میں ڈالی جاتی ہے۔ جب مکھی الہام غیر مختص سے حصہ پاتی ہے۔ تو کیا بعض مقدس انسان اُس سے محروم رہ سکتے ہیں۔ ایسا الہام غیر مختص وہ درجہ نہیں رکھتا۔ جو مختص الہام رکھتا ہے۔ یا یہ کہ غیر مختص الہام میں ایسی خصوصیت نہیں ہوتی۔ یا یہ کہ ایسا الہام ایک قسم کا قیاس یا ایک قسم کا خواب ہوتا ہے۔ لیکن ایسا قیاس اور ایسا خواب کہ جس میں ایک قسم کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اور جس کی ادراکی صورتیں اور اوراد کی کیفیتیں اُس الہام کا ظل ہوتی ہیں۔ جو الہام مختص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نبیوں کا الہام بطور ایک مکالمہ کے بھی ہوتا ہے۔ اور جب اُس میں بھی ایک خصوصیت مزید پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اُس کا نام وحی ہو جاتا ہے۔

غیر مختص الہام کی اکثر صورتیں صرف القاء ہی کا رنگ رکھتی ہیں۔ اگر ضمیر تزکیہ یافتہ ہے۔ تو القاء کی تعبیر میں کوئی غلطی نہیں پڑتی۔ اور اگر تزکیہ یافتہ نہیں ہے۔ تو شروع میں ہی اُس کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ ع۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

نبوت امت وار کی ضرورت

میری رائے میں اگرچہ کل انسان ہی ایک مورث اعلےٰ کی ذریات ہیں۔ اور اگرچہ انسانوں کی ساری نسلیں ایک ہی جد رکھتی ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ مختلف ضروریات کے تحت نسلیں جدا جدا ہوتی گئیں۔ اور اس پر اس کی تمدنی ضروریات اور تمدنی اغراض بھی جدا ہوتے گئے۔ اور مختلف آب و ہوا کی وجہ سے ان کی زندگیوں کا طور و طرز بھی بہت کچھ بدل گیا۔ اس لئے جس طرح شروع میں نظام جسمانی کے متعلق ان کے اجتہادات جداگانہ تھے۔ اسی طرح یہ ضرورت بھی الہامی رنگ میں محسوس کی گئی۔ کہ رفع حجت کے واسطے ان کا سلسلہ الہامی بھی ایک زمانہ تک امت وار کر دیا جاوے۔ تاکہ ہر امت پر جداگانہ یہ حجت پوری کر دی جاوے۔ ہر قوم اور ہر شعبہ امت کے لئے اسی واسطے باب الہام ایک مدت تک جداگانہ کھلا رہا ہے۔ اس کی ضرورت اس واسطے بھی تھی۔ کہ جب آخیر پر ایک جامع معلم اور ایک جامع الہامی کتاب نازل ہو۔ تو بہ فحوائے تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم ایک عام اعلان کیا جاوے۔ کہ سب کے سب ایک ہی الہامی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاویں۔ اور اس وقت کسی

امت اور کسی گروہ کو یہ کہنے کا یارا نہ ہو۔ کہ جب خود ہماری قوم ہی باوجود انسان ہونے کے اس فیض سے اب تک محروم رہی ہے۔ تو دوسری قوم کس طرح یہ شرف پا سکتی ہے ÷

مثلاً اگر دنیا میں ایک ہی قوم قدرت کی بعض نعمتوں سے منعم اور فیض یاب ہوتی۔ اور ساتھ ہی یہ دعوے بھی کرتی ہے کہ خوان قدرت میں صرف اُس ایک کا حصّہ ہے۔ تو دوسری قومیں یہ کہہ سکتی نہیں۔ کہ ہم بھی اس دنیا میں رہتی ہیں۔ اور اُسی خالق کی مخلوق ہیں۔ جس کی تم مخلوق ہو۔ بہ مقابلہ دوسری قوموں کے تمہاری کیا خصوصیت ہے ÷

بے شک بعض باتیں اور بعض نعمتیں مخصوص بھی ہوتی ہیں۔ لیکن جو باتیں ماتحت عام فیضان ہوتی ہیں۔ اُن میں تخصیص نہیں ہوتی۔ وہ کون سا ملک یا حصہ ملک ہے۔ جس میں ہوا نہ چلتی ہو۔ یا جس میں دیگر عناصر نہ ہوں۔ جس طرح دیگر عناصر کا ایک فیضان عام ہے۔ اُسی طرح الہامی عنصر کا بھی ایک فیضان عام ہے۔ ہر امت کا یہ حق تھا۔ کہ اُس فیضان موقتہ سے اپنے اپنے رنگ میں اعلےٰ قدر مراتب مشیت ایزدی کے مطابق حصّہ پاوے۔ تا کہ اس فیضان عام سے مستفیض ہوکر اُس آخری اور جامع الہام کی معترف ہو۔ جو سرزمین عرب کو ہونے والا تھا۔ اب چونکہ ہر امت کے مقابلہ میں حجت پوری ہو چکی ہے۔ اور اس اتمام حجت کے بعد ایک جامع قانون جامع الہام اور ایک جامع کتاب بھی نازل ہو چکی ہے۔ اور ایک

ایسا نبی بھی مبعوث ہو چکا ہے۔ جس کی شان میں لکل قوم ھاد کہا گیا ہے۔ اس واسطے کسی اور امت اور کسی اور نبی کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اور سب ادوار نبوت ایک مرکز پر لائے جا کر خاتم النبیین کی معرفت ایک نیا مجدد اور جامع و مختتم دور چلا ہے ✦

۷۸۶

عرب اور قرآن کی خصوصیت

شاید بعض لوگ یہ اعتراض کریں۔ کہ عرب اور قران کی کیا خصوصیت ہے۔ اور قومیں اور ملک بھی تو تھے ان میں کیوں ایسا نبی اور ایسا صحیفہ مبعوث اور نازل نہ ہؤا۔

یہ ایک ایسا سوال ہے۔ جو ہر ایک انتخاب کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اگر ملک عرب اور قران مجید کے سوائے کوئی اور ملک ہوتا۔ اور کسی دوسرے نام کا صحیفہ نازل کیا جاتا۔ تو اس صورت میں بھی یہی اعتراض ہو سکتا تھا۔ پس جو جواب اس صورت میں ہو سکتا ہے وہی جواب بصورت عرب اور قرآن کے بھی ہے ✦

انتخاب کا کام خود منتخب کے ہاتھ میں ہوتا ہے - اور یہ کام تو ایک ایسے منتخب کے ہاتھ میں تھا - کہ جسے نہ تو کوئی مشورہ دے سکتا ہے - اور نہ اس کے حضور میں کوئی ترمیم پیش کرسکتا ہے - اس کا جواب بھی وہی دے سکتا ہے - اگر یہ کہا جاوے - کہ انسان کی ناک اور آنکھیں کیوں اس طرح بنائی گئی ہیں - تو اس کا فیصلہ ایک تو اس طرح ہو سکتا ہے - کہ ہم ناک اور آنکھ کسی اور طرح پر بنا کر دیکھیں - اگر حسن سماعت حسن بصارت حسن افادت اور زیبایش و موزونیت ایسی ہی رہے - تو جانو - کہ قدرت (نعوذ باللہ) غلطی پر تھی - لیکن اگر یہ باتیں اور یہ خوب صورتی باقی نہ رہے تو سمجھ لو - کہ ہم غلطی پر ہیں +

نبوت کا بھی ایک نظام ہے - اور نبوت کی بھی باریاں اور درجے مقرر ہیں - کوئی اول نمبر اور کوئی دویم و چہارم و پنجم ملکوں اور امتوں کی باریاں مقرر کرنا - خدا کی اپنی مرضی پر موقوف ہے -

لکل امۃٍ اجل -

ہر امت اپنی اپنی باری اور اپنے اپنے وقت پر اپنی حالت بدلتی ہے - اور یہ سب کچھ تحت مرضی قدرت ہوتا ہے -

کیا مٹی کمہار سے یہ کہ سکتی ہے - کہ تو نے مجھے ایسا کیوں بنایا صاحب خانہ کا بلحاظ ضروریات اور باعتبار موزونیت و افادت اختیار ہے - کہ اپنے گھر میں کوئی شئے کسی موقعہ پر رکھے اور کوئی کسی موقعہ پر - وہ خوب جانتا ہے کہ کوئی شئے کہاں سجتی اور کہاں موزونیت ہے - عرب ہی کی بابت بائیبل میں بھی آخری نبی

کی پیشین گوئی حضرت یسعا علیہ السلام کی زبانی بالفاظ

النبوت فی العرب و بنی قیدار

کی گئی ہے +

اس پیشین گوئی کے اعتبار سے یہ موقعہ عرب اور قرآن ہی کو ملنا تھا۔ اور یہ سہرا نبوت رسول عربی (صلعم) کے سر پر ہی بندھنا تھا +

این سعادت بزور بازو نیست

اور ساتھ ہی اس کے کہ اس دور میں فیض نبوت اور احترام الہام مستحق سرزمین عرب ہی تھی۔ عرب کی سرزمین میں سے گویا خدا کا نام ہی اُٹھ چکا تھا۔ خدائی حکومت کے مقابلہ میں بتوں کی حکومت تھی فطرتیں مردہ ہو چکیں تھیں اور ضمائر بوسیدہ ایک طرف عرب کی حالت یہ تھی اور ادھر اُس کا نمبر بھی آچکا تھا ۔ کل شئے مرہون باوقا تھا۔

رحمت ایزدی میں جوش آیا۔ اور کوہ فاران کی چوٹیوں سے الہامی رحمت کے بادل برسنے شروع ہوئے ۔ حضرت احمد رسول اللہ صلعم نے کوہ فاران کی چوٹیوں سے توحید کی منادی کی۔ اور عرب ایسے ملک اور اقوام کو ایک یتیم ہستی نے دولت روحانیات سے مالا مال کر دیا۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ

مذاہب اور شہادت الہامی کی ضرورت

ہمیں کتب سماوی کی روش اور قانون الہام سے پتہ لگتا ہے۔ کہ بعض وقت انبیاء علیہم السلام پیچھے آنے والی نبوتوں اور آئندہ سلسلہ الہامات کی نسبت بھی اپنے اپنے رنگ میں کچھ نہ کچھ پیشین گوئیاں کرتے رہے ہیں۔ نبیوں کے ملفوظات میں جیسے دیگر قسم کی پیشین گویاں بھی ہوتی ہیں۔ آنے والے نبیوں اور سلسلہ الہامات کے بارہ میں بھی بعض نبی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ بعض وقت ایسی پیشین گویاں قریباً صاف ہوتی ہیں۔ اور بعض وقت یہ کچھ حد تک تاویلات کی محتاج۔ بائیبل کی بعض پیش گویاں پوری ہو چکی ہیں اور ابھی کچھ زیر بحث ہیں۔ اسی طرح قرآن کی پیشین گویوں کا حال ہے۔ انسان کا یہ ایک طبعی خاصہ ہے۔ کہ وہ ایک بڑی حد تک آنے والے اہم واقعات کی نسبت قبل از وقت اطلاع حاصل کرنے کا مشتاق رہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ بڑے بڑے واقعات کی نسبت زاید شہادتوں کا بھی طالب رہتا ہے قرآن مجید میں یہی بات مد نظر رکھی جاکر چند در چند پہلے نظائر موقعہ مناسب پر بیان کئے گئے ہیں۔ اور پہلی روایتوں سے ایک

خوب صورتی کے ساتھ استدلال کیا گیا ہے۔ اس وقت دنیا کے مختلف حصّوں اور مختلف اقوام میں جس قدر مذاہب پائے جاتے ہیں۔ اُن میں ایک ابتدائی وابستگی اور نسبت موجود ہے۔ گو کہ اُن میں کچھ اور زوائد بھی مل گئے ہیں۔ مگر پھر بھی بعض امور پہلی وحدت اور گزشتہ سلسلہ پر شاہد ہیں۔ چونکہ بعض مذاہب کی تاریخ مکمل نہیں مل سکتی۔ اس واسطے ان کی نسبت صراحتاً کوئی شہادت نہیں پیش کی جاسکتی۔ خصوصاً ایسی شہادت جس کا ماخذ کوئی مستند صحیفہ الہامی ہو۔

سوائے یہود اور عیسائی مذاہب کے موجودہ مذاہب میں سے اور چند مذاہب کو بھی یہ دعوےٰ ہے۔ کہ اُن کے لانے والے بھی نبی یا اوتار تھے۔ اور اُنہیں بھی الہامی شرف حاصل تھا۔ جب ہم بائیبل دیکھتے ہیں۔ تو اُس میں سوائے ایک دو مذاہب کے اور کسی مذہب کی بابت کوئی شہادت نہیں ملتی ہے۔ ایسے ہی دوسرے مذاہب کے مسلمات سے بھی کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی۔ اگر یہ بحث اٹھائی جاوے۔ کہ جو مختلف مذاہب اس وقت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا بانی الہامی سند رکھتا تھا۔ یا اُس کی کوئی امت بھی تھی۔ تو اس کی بابت مذہب ہنود۔ یہود۔ عیسائی۔ بدھ۔ شاید بالکل خاموش ہیں۔ اگرچہ بائیبل میں چند پیشین گوئیاں تو پائی جاتی ہیں۔ مگر اُن میں سے یہ نہیں نکلتا۔ کہ کسی اور امت میں بھی نبی مبعوث ہوئے تھے۔ یا اور امتوں کو بھی کوئی نبی اور الہام دیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسی کمی اور

ایسا نقص ہے۔ کہ جس سے نظام الہام پر ایک زد پڑتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ میاں کا فیض الہام اور سلسلہ تبلیغ شروع سے لیکر اخیر تک دنیا کی ایک دو قوموں کے ساتھ ہی مخصوص رہا۔ اور اس تخصیص کی وجہ کوئی نہیں معلوم ہوتی۔

میری رائے میں مذاہب سابقہ کا اس میں کوئی قصور نہیں کیونکہ ان کا یہ کام نہ تھا۔ کہ کل مذاہب گزشتہ کی نسبت شہادت دیویں۔ یہ اُس مذہب اور اسی کتاب کا کام تھا۔ جو سب مذاہب اور سب ملل سے بعد میں نازل ہوئی۔ وہی امت ایسی شہادت دے سکتی ہے۔ جو سب سے بعد میں نامزد ہوئی ہو۔ اُسی امت اور اُسی کتاب کا یہ فرض تھا۔ کہ اُس سے پہلے جو کچھ گزر چکا ہے۔ اس کی نسبت گواہ ہو۔ اُسی کی یہ ڈیوٹی ہے۔ کہ اجمالی رنگ میں ایسے سب سلسلوں اور گزشتگان کی نسبت یاد دلائے اور یہ فیصلہ کر دیوے کہ نظام الہام اور سلسلہ نبوت کہاں تک وسعت رکھتا ہے۔ اور دنیا کی مختلف امتوں سے کن کن صورتوں میں اس کی وابستگی رہی ہے۔

سوال یہ ہے۔ کہ

(۱)۔ دنیا کے موجودہ مذاہب میں سے کون سا مذہب ایسی شہادت دیتا ہے۔

(۲)۔ کیا دنیا کی مختلف امتوں کے بعض مشاہیر مسلم تھے۔ اور کیا اُنہیں الہامی ضابطہ بھی دیا گیا تھا۔

اگر ہم یہ قرار دے لیں۔ کہ موجودہ مذاہب میں سے مذہب

ہنود یا مذہب بہود سب سے پہلا مذہب ہے۔ تو وہ سوائے اس کے کہ اُن کی کتابوں اور پستکوں میں بعض مابعد کے مذاہب اور نبیوں کی نسبت کچھ پیشین گویاں ہوں۔ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جس قدر دیگر مذاہب دنیا میں مروج ہیں۔ وہ سب اُن کے بعد کے ہیں۔ دوسرے مذاہب بھی اس بارہ میں خاموش ہیں۔ اگر ان سب مذاہب کی خاموشی کے یہ معنے لئے جاویں۔ کہ اُن کے سوائے اور کسی امت میں کوئی نبی..... ہؤا ہی نہیں تو اُن کی ایسی خاموشی سرسری نظروں میں قابل معافی ہے۔ کیونکہ ایسے اولین مذاہب کا یہ فرض بھی نہ تھا۔ کہ مابعدی مذاہب کی نسبت کھلے طور پر شہادت دیویں۔ اور وہ اس بارہ میں کہہ بھی کیا سکتے تھے۔ اور دوسری طرف ایسے مذاہب کی کتابوں میں یہ کہیں درج نہیں۔ کہ ان کے نبیوں کے سوائے دنیا میں کوئی اور شخص نبی نہیں ہوگا۔ اور نہ کسی اور امت کو دولت الہام سے آشنا کیا جاوے گا۔ یہ کام اُسی مذہب کا تھا۔ جو سب سے بعد میں آوے۔ اور وہ صرف اسلام ہی ہے۔

این قرعہ فال بنام قرآن بزدند

اس بات پر ضد کرنا۔ کہ دنیا بھر میں سوائے ایک دو امتوں کے اور کسی امت میں کوئی نبی نہیں ہؤا۔ اور کسی امت کو کوئی الہامی کتاب نہیں دی گئی ہے۔ خدائی رحمتوں کی تحدید ہے۔ اور قانون قدرت پر ایک ناواجب اور بد دلانہ حملہ عقل و فراست اور زمانہ شاہد ہے۔ کہ بتحت نظام قدرت دنیا میں اور امتیں

اور گروہ بھی الہام اور فیض نبوت سے مستفیض ہوتے رہے ہیں۔اگر قدرت (نعوذ باللہ) اس سے بقول بعض قاصر رہی ہے۔تو وہ خود اس کی جواب دہیہ ہے۔

یہ تو ظاہر اور ثابت ہے۔کہ کوئی اور مذہب اس غلطی کو ظاہر کرنے والا نہیں ہے۔اور نہ کسی مذہب نے یہ ذمہ لیا ہے۔اور نہ کسی نے ایسا دعوے کیا ہے۔اب ہم دیکھتے ہیں۔کہ اس کا مدعی اور کفیل کون سا مذہب ہوتا ہے۔اور کس کے ذمہ ہمت پر یہ ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔اور قدرت نے کس مذہب اور کس نبی محترم کے سر یہ سہرا باندھا ہے۔

ایک دفعہ پھر غور کرو

اگر واقعی کسی ایسی شہادت کی ضرورت ہے۔اور ایسی شہادت سے صداقت اور وسعت الہامی اور وسعت فیضان نبوت پر اور بھی روشنی پڑتی ہے۔تو ہمسایہ امتوں اور دوسرے مذاہب کا یہ فرض اولین ہے۔کہ وہ ایک ٹھنڈے دل اور طمانیت سے ایسے عظیم الشان اور ناقد الصداقت شاہد کے احترام اور اعتراف سے پہلو تہی نہ کریں۔

هل جزاء الاحسان الا الاحسان

مجھے اس بات کا اعتراف ہے۔کہ مذہب اسلام موحدانہ رنگ میں بہت کچھ اُن مذاہب کے خلاف گیا ہے۔جن میں رسوم اور روایات باطلہ کے تحت توحید کا رنگ بگڑ چکا ہے۔لیکن ناظرین

یہ تو سوچیں کہ جس ابتدائی مذہب کی اسلام یاد دلا رہا ہے - وہ تو ان مشرکانہ حواشی سے بالکل پاک و صاف تھا - .. .. مذہب ہندو ہو اور چاہے یہودی اور عیسائی اور بدھ و ژند ان سب میں توحید ہی تھی - اور ان سب مذاہب کے بانیاں اعلان توحید ہی کے واسطے مختلف امتوں میں مبعوث ہوئے تھے - اسلام توحید کا مدعی ہے - نہ کہ کسی اور بات کا - اس صورت میں اُس نے جو منصفانہ طریق اختیار کیا ہے - وہ ہر پہلو سے قابل داد ہے +

اور یہ تسلیم کیا جاوے گا - کہ اسلام باوجود بعض ضروری اعتقادی مخالفتوں کے بھی اعلان حق سے ہٹا نہیں - کیا اسلام اور اسلام کے لانے والے کی یہ منصفانہ جرأت کوئی قیمت نہیں رکھتی - اسلام باعتبار ایک ابتدائی مذہب ہونے کے اپنی یاد خود دلا رہا ہے - کیا یہ انصاف ہوگا - کہ باوجود اس حق پژوہی کے بھی لوگ شان رسول عربی (صلعم) میں کچھ کا کچھ کہہ جاویں - اور کوئی بھی یہ نہ سوچے - کہ وہ کس انصاف کس بردباری اور کس سلوک سے پیش آ رہا ہے - اور اپنی امت کو بہ فحوائے لا نفرق بین احد من رسلہ کس کشادہ دلی کی تعلیم دے رہا ہے - ایک طرف آپ کو گالیاں ملتی ہیں - اور اس کی شان میں بُرا بھلا کہا جاتا ہے - اور دوسری طرف وُہ دوسرے مذاہب کے بزرگوں کو تعظیم سے یاد کرتا ہے - اور ان پر ایمان لانا اپنی امت پر واجب گردانتا ہے - کیا دنیا سے انصاف اُٹھ گیا ہے - اور دنیا صداقت کا وزن نہیں کر سکتی - ہم قرآنی احکام کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت مسیح علیہ السلام اور دیگر بزرگان مذاہب دنیا کی تصدیق اور تعظیم کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف سے ہمارے نبیؐ کی شان میں بعض وقت بعض کم اندیش لوگ زہر اُگلنے سے باز نہیں رہتے ؎

گفتنم بسے زدرد دل امشب حبیب را
نشنید از غرور چہ گویم نصیب را

کیا اس صداقت پرستی کا یہ بھی معاوضہ نہیں ہوسکتا۔ کہ تیز زبان لوگ ایسے جلیل القدر انسان کے مقابلہ میں زبانیں بند رکھیں یا آدمیت اور تہذیب سے ذکر کریں۔ مسلمان تو قید لا نفرق بین احد من رسلہ سے آزاد ہوکر زبان نہیں کھول سکتے۔ اور باوجود امراجیان سننے کے بھی خاموش رہتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ دیگر بزرگان مذاہب کی شان میں کچھ کہیں۔ تو وہ حدود ایمان اور قیود اسلام سے نکلتے ہیں۔ اور ان پر جواب دہی عاید ہوتی ہے حوصلہ تو دیکھو۔ ہم سنتے ہیں۔ اور کچھ نہیں کہتے۔ یا کچھ نہیں کہ سکتے ؎

شرط ادب ہے مانع ہم کچھ نہیں جو کہتے
ورنہ جواب دینا مشکل نہیں ہے کچھ بھی

۷۸۶

مسئلہ زیر بحث کی بابت

نصوص قرانیہ

اب ہم چند ایسی آیتیں پیش کرتے اور دکھاتے ہیں۔ کہ اسلام اور قرآن مجید کس انصاف اور کس کشادہ دلی سے دوسری امتوں اور دوسری قوموں کے الہامی حقوق اور مرسلانہ دعاوی کی تائید۔ اور تصدیق کر کے اُنہیں ایک مقدس زندگی بخشتا ہے۔ ان یورشوں اور اُن حملوں کے ہوتے ہوئے جو مذہبی پہلو سے آج تک دوسرے مذاہب کے بعض اشخاص کی طرف سے روا رکھے جاتے ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں تھا۔ کہ اسلام اس کشادہ دلی سے کام لے۔ مگر چونکہ وہ صداقت کا منادا اور احقاق حق کا مبلغ ہے۔ اس واسطے کوئی مخاصمت اور کوئی بے انصافی بھی اُسے اظہار صداقت سے روک نہیں سکتی۔

آیات

(۱)۔ ولکل امۃٍ رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط وھم لا یظلمون۔

ترجمہ۔ ہر ایک امت کا ایک نہ ایک رسول ہوا ہے۔ قیامت کے

روز ہر امت کا رسول ہمارے حضور میں حاضر ہوگا۔ اور لوگوں پر مطلقاً کوئی ظلم نہیں ہوگا)۔

(۲)۔ وَلقد بعثنا فی کل امۃٍ رسولاً
ترجمہ۔ اور ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجتے رہے ہیں)

(۳)۔ وما ارسلناک من قبلک الا رجالاً نوحی الیہم؀
ترجمہ۔ اسے رسول ہم نے تم سے پہلے بھی مختلف امتوں میں نبی بھیجے تھے)۔

(۴)۔ تا اللہ لقد ارسلنا الی اُمَمٍ من قبلک
ترجمہ۔ ہم نے تم سے اول بھی امتوں میں مرسل بھیجے تھے۔

(۵)۔ ویوم نبعث من کل امۃٍ شہیداً۔
ترجمہ۔ قیامت کے دن ہم ہر ایک امت کے نبی کو گواہ بنا کر کھڑا کریں گے۔

(۶)۔ وان من امۃٍ الا خلا فیھا نزیر۔
ترجمہ۔ کوئی امت ایسی نہیں گزری۔ جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو)۔

(۷)۔ ولقد ارسلنا من قبلک فی شیع الاولین
ترجمہ۔ اور ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے گروہوں میں پیغمبر بھیجے تھے)۔

(۸)۔ وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً۔
ترجمہ۔ جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کر لیں۔ کسی کو سزا نہیں دیا کرتے۔

(۹) یوم ندعوا کل اناسٍ بامامہم ۔
ترجمہ ۔ جب ہم سب لوگوں کو اُن کے پیشواؤں کے ہمسنت بلاکر کھڑا کریں گے ۔

(۱۰) ۔ والنبیون من ربہم لا نفرق بین احد منہم ۔
ترجمہ ۔ اور ہم رسولوں میں سے کسی میں کوئی تفریق نہیں کرتے ۔

(۱۱) ۔ والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منہم ۔ اولٰئک سوف نؤتیہم اجورھم وکان اللہ غفوراً رحیما ۔
ترجمہ ۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ۔ اور جو رسولوں میں سے کسی میں کوئی امتیاز و تفریق نہیں رکھتے ۔ ہم بہت جلد ان کا اجر دیں گے ۔ اور اللہ غفور الرحیم ہے ۔

یہ تمام آیتیں کھلی اور صاف ہیں ۔ ہر شخص ان کا مطلب سمجھ سکتا ہے ۔ ان میں کوئی اغلاق اور پیچیدگی نہیں ۔ ان آیات سے ثابت ہے ۔ کہ باقتضائے رحمت ایزدی ہر امت میں جو امت کا درجہ رکھتی ہو ۔ کوئی نہ کوئی نبی اور رسول بھیجا گیا ہے ۔ رحمت ایزدی متقاضی تھی ۔ کہ کوئی امت بھی اس فیضان سے محروم نہ رہے ۔ اور کوئی قوم بھی یہ نہ کہ سکے ۔ کہ فلسفہ الہام سے اُسے محروم رکھ کر دوسری امتوں کے دائرہ سے اُسے خارج کر دیا گیا ہے ۔

پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے ۔ کہ ہر ایک امت کا رسول بروز قیامت اپنی اپنی امت کے ساتھ دربار صمدی میں حاضر ہوگا ۔ مطلب یہ کہ ہر امت اپنے ہادی اور رسول کی موجودگی میں جواب

دیدہ ہوگی - ایک طرف رسول ہوگا - اور ایک طرف امت تاکہ امت معلوم کرے - کہ جس ذمہ واری کے ساتھ ان کا رسول اُن کی طرف مبعوث ہؤا تھا - اور جس رنگ میں انہیں تبلیغ کی گئی تھی وہ اس کی بابت خود حاضر ہوکر شاہد ہے - جب ہر نبی اور ہر رسول اپنی اپنی امت کی طرف نذیر اور بشیر ہوکر آیا تھا - تو آخری جواب دہی کے وقت اس کی موجودگی بھی لازمی ہے ؏

ایک طرف امتوں کا اپنا اعمال نامہ ہوگا - اور دوسری طرف اُن کا نبی یا امام بطور ایک صادق شاہد کے موجود ہوگا - کسی امت اور کسی فرد امت پر ظلم اور تعدی نہیں ہوگی - ہر ایک فیصلہ خود اس کی اپنی ذمہ واریوں کے تحت کیا جاوے گا ؏

یہ شہادت صرف امتوں کے رویہ کی بابت ہی نہیں ہوگی - بلکہ ہر امت کا نبی اس پر بھی شہادت دے گا - کہ ان کا مذہب بھی اسلام ہی تھا - وہ بھی اسلام ہی کے منادی تھے - قرآن مجید میں جہاں جہاں دوسری امتوں کے نبیوں اور اوتاروں[۵] کا ذکر کیا گیا ہے

---

۵ - اوتار کے معنے روپ دھارنے کے نہیں ہیں - بلکہ تخلقوا باخلاق اللہ کے اور یہ کہ خداوند کریم کی مرضی ان کے ساتھ تھی - ہنود میں بھی اوتار کے معنے نبی ہی کے تھے - رفتہ رفتہ اُس میں بعض غلط روایات کے تحت مبالغہ ہوتا گیا - اہل ہند میں بھی نبیوں نے توحید ہی کا پرچار کیا ہے - اور اُن کے تمام اوتار موحد ہی تھے - اور اشاعت توحید کے واسطے ہی ان کی بعثت ہوئی تھی - فتدبر ۱۲

مطلب اُس کا یہ ہی ہے۔کہ وہ بھی صراط اسلام کے سالک تھے۔ اور اُن کا مذہب بھی اسلام ہی تھا۔ اور قیامت کے روز وہ اسلام ہی کے متاد اور موید ہوں گے۔ اور اسلام ہی کی تصدیق کریں گے۔ کیونکہ دنیا کے کل نبیوں کا مذہب اسلام ہی رہا ہے۔ اگرچہ اُنہیں چند اور ناموں سے بھی موسوم کیا گیا ہو،،

چھٹی آیت میں ارشاد ہوا ہے۔کہ دنیا میں کوئی ایسی امت نہیں ہے۔جس میں کوئی نہ کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہ بھیجا گیا ہو۔ قرانی محاورہ کے تحت نذیر سے مراد عموماً نبی ہی ہوتا ہے۔اگرچہ امتوں میں نبیوں کے تحت اور لوگ بھی ضمناً نذیر اور بشیر ہوئے ہیں۔ مگر یہ دونوں لفظ عموماً انبیا علیہم السلام پر ہی اطلاق ہوتے ہیں۔ بعض نبی محض جمالی رنگ رکھتے ہیں۔اور بعض جلالی رنگ اور بعض دونوں رنگ میں تبلیغ کرتے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں رنگ رکھتے تھے۔اور جناب عیسےٰ علیہ السلام کا جمالی رنگ غالب تھا۔ اسی طرح انبیا علیہم السلام ہندوستان و دیگر اقوام کی بھی حالت تھی۔ ہمارے حضور علیہ السلام دونوں رنگ رکھتے تھے۔اور ان دونوں کے جامع نبی تھے۔چونکہ وہ دوسری طرف بہ فحواے آیت کریمہ

ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

نبوت اور سلسلہ رسالت کے ختم کنندہ بھی تھے۔اس واسطے ان کا جمالی اور جلالی رنگ ایک جامع رنگ تھا۔اور سب نبیوں سے اعلےٰ اور روشن تر

آیات بالا سے جس صراحت اور جس وضاحت کے ساتھ امور

ذیل پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ محتاج بیان مزید نہیں۔

(۱)۔ مختلف امتوں میں مختلف زبانوں کے اندر نبی مبعوث ہوتے رہے۔

(۲)۔ ان میں سے کچھ نذیر تھے اور کچھ بشیر۔

(۳)۔ کچھ نذیر اور بشیر دونوں۔

(۴)۔ چونکہ مختلف امتیں اور مختلف قومیں مسرور زمانہ کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ انہیں مذہبیات سے چنداں تعلق اور انس نہ رہا کم زور روایات کی معتقد ہوگئیں۔ اور رفتہ رفتہ بعض زواید اور حواشی کی وجہ سے اصلیت بھی گم ہوتی گئی۔ اسی واسطے انہیں یہ بھی یاد نہ رہا۔ کہ ان میں بھی کبھی کوئی نبی اور رسول آیا تھا۔

(۵)۔ چنانچہ بعض امتیں اس زمانہ میں ایسی بھی ہیں جنہیں الہامات اور نبوت پر یقین ہی نہیں۔ ان کے خیال میں خدائے قدیر نہ تو کسی کو الہام کرتا ہے اور نہ نبی بناتا ہے۔ اور نہ کسی پر کوئی آسمانی کتاب اتر سکتی ہے۔ ان کے خیال میں گویا اس کو اپنی مخلوق سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کے نزدیک نبوت اور الہام ایک وہم ہے۔ اور ان کے خیال میں خدا کا یہ کام نہ تھا۔ کہ وہ مختلف امتوں اور قوموں میں نبی بھیجنے کی تکلیف گوارا کرتا۔

(۶)۔ اس کے مقابلہ میں بعض امتوں کو یہ ناز اور یہ دعوے ہے۔ کہ ہمارے سوائے دنیا کی کوئی اور امت یا کوئی اور قوم یہ شرف رکھتی ہی نہیں۔ اگر کوئی خدا ہے۔ تو صرف انہی کا ہے۔ اور

اگر کوئی سلسلہ الہام اور سلسلہ نبوت ہے - تو انہیں تک ہی - اس کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے - گویا خدائی کارخانہ کی انہیں کے نام پر رجسٹری ہو چکی ہے ÷

(۷) - چونکہ بعض قومیں اور بعض امتیں بجا ہے - خود ہی ایسے خیالات رکھتی تھیں - اور دوسری طرف ملہم قومیں اور ملہم امتیں ایسی امتوں اور ایسی قوموں کو اس قابل ہی نہ سمجھتی تھیں - اس واسطے ایسی امتوں اور ایسی قوموں کی رفتہ رفتہ حس ہی ماری گئی - اور رفتہ رفتہ ان کا یہ عقیدہ ہو گیا - کہ "کسی امت میں کوئی نبی نہیں آیا - اور نہ کسی میں آسکتا ہے"

"نہ خدا کو ایسی ضرورت ہے - اور نہ وہ ایسا کر سکتا ہے"

"نہ کسی ایسے ضابطہ کی ضرورت ہے"

"قدرت نے جیسے جسے عقل و فراست دے رکھی ہے - وہی ایک قانون اور معیار ہے" ÷

"سب کے واسطے صحیفہ قدرت اور صحیفہ فطرت کافی ہے - کسی اور صحیفہ کی ضرورت نہیں" ÷

(۸) - ایسے خیالات کی بڑی بھاری وجہ یہی ہو سکتی ہے - کہ رفتہ رفتہ ان لوگوں کے یہ ذہن نشین ہوتا گیا - کہ ان میں تو کوئی نذیر و بشیر آیا ہی نہیں - وہ خواہ مخواہ دوسروں کی ریس کیوں کریں ÷

(۹) - بعض لوگوں نے جان بوجھ کر تو اس کا انکار نہیں کیا - بلکہ رفتہ رفتہ ان کی ایسی حس ہی کمزور ہوتی گئی - اور انکی طبیعت

میں یہ بات جمتی گئی - کہ قدرت کو نہ تو اس کی ضرورت تھی -
اور نہ وہ اس پر قادر ہے ⁂

(۱۰) یہ ایک ایسا نقص تھا - جس کی وجہ سے بہت سی قومیں اور بہت سے لوگ جادہ حقیقت چھوڑ بیٹھے - اور ان کی فریب خوردہ طبائع میں سے یہ خیال ہی اٹھتا گیا ⁂

(۱۱) اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک نقص ہو گیا - کہ جو قومیں صرف اپنے تئیں ہی مورد الہام اور اہل کتاب سمجھتی تھیں - وہ دوسری قوموں اور دوسری امتوں کے نبیوں اور اوتاروں کی تصدیق سے رفتہ رفتہ دور ہٹتی گئیں - رفتہ رفتہ اس کا یہ اثر ہوا - کہ وہ دوسری امتوں کے مشاہیر سے نفرت کرنے لگ گئیں - اور دوسری اقوام کے مشاہیر اور بزرگوں کی ان کی محدود نگاہوں میں کوئی عزت اور کوئی احترام و وقر نہ رہا ⁂

(۱۲) - اس کا یہ اثر بھی ہوا - کہ دن بدن مذاہب میں منافرت پیدا ہوتی گئی - اور منافرت بڑھتے بڑھتے نوبت باین جا رسید کہ دوسری امتوں کے بزرگوں کا نام لینا ہی دوبھر ہو گیا ⁂

(۱۳) - بجائے اس کے کہ لوگ ایک وسعت قلبی اور خلوص کے ساتھ تبلیغ مذاہب میں ساعی ہوتے - دن بدن تفریق کی بنیاد پڑتی گئی - اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی - کہ محض کا دشنامہ رنگ میں دوسرے مذاہب کے بزرگان ملت کو کوسنا ایک مذہبی خدمت سمجھی گئی - اگر کبھی یہ بھی سوچے - کہ خود اس کی قوم میں بھی کوئی بزرگ اسی قماش کا گزرا ہے - تو

وہ اسی قسم کے کسی اور مذہب کے بزرگ کا حال سُن کر خواہ مخواہ تحقیر اور توہین کا پہلو نہیں لے گا۔ بلکہ تبلیغی رنگ میں مزید دریافت کرنے لگ جاوے گا۔

(۱۴) اگر دنیا کے دیگر مذاہب والے اب بھی قرانی فلسفہ الہام کے تحت یہ یقین کر سکیں کہ ہر ایک امت اور ہر ایک قوم میں کوئی نہ کوئی نبی ہو گزرا ہے۔ اور اپنے اپنے رنگ میں الہام کا دروازہ کسی امت پر بند نہیں رہا۔ تو دنیا میں سے بہت کچھ خواہ مخواہ کی مخاصمتیں اٹھ جاویں اور لوگ ایک منصفانہ پہلو لے کر ایک اشتراکی اور اتحادی سٹیج پر آنے کی کوشش کریں۔

(۱۵) امور بالا پر نظر رکھتے ہوئے کیا کوئی شخص بھی بشرطیکہ دل رکھتا ہو۔ اور دل میں انصاف اور بردباری ہو۔ یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ اسلام کا یہ فیصلہ صحیح اور مفید نہیں اور کیا کوئی ایسا شخص جو کشادہ دلی کی قدر کرنے والا ہے اس کہنے سے رک سکتا ہے۔ کہ

اسلام ہی ایک ایسا مذہب اور قرآن ہی ایک ایسی سماوی کتاب ہے جو اس فیاضی اور اس فراخ دلی سے ایسا اعلان کرتی ہے اور برابر تیراں سو سال سے یہ منادی کر رہی ہے۔ کہ

کوئی امت بھی فیض نبوت اور سلسلہ الہام سے خالی نہیں رہی ہے۔

ہر قوم میں بشرطیکہ وہ امت کا درجہ رکھتی ہو۔ کوئی نہ کوئی نذیر اور بشیر آتا رہا ہے۔ اور ہر امت اس سے اپنے اپنے وقت

پر مستفیض ہو چکی ہے +

(۱۶) اگر کوئی امت بجائے خود کچھ بھی کشادہ دلی رکھتی ہے - تو وہ اسلام اور قرآن مجید کی اس منصفانہ پالیسی اور صادقانہ و نافذانہ تبلیغ کے مقابلہ میں سوائے سر جھکانے کے اور کیا کر سکتی ہے +

اسلام اور قرآن مجید نے اپنا فرض ادا کر دیا - اور اعلان تعالوا الےٰ کلمتہ سواء بیننا و بینکم پر ایک عملی مہر لگا دی جو کچھ کسی امت کا الہامی رنگ میں حق تھا - اُس کا اعتراف ہی نہیں کیا گیا - بلکہ ادا بھی کر دیا گیا - اسلام اور قرآن مجید کا یہ اعلان اور یہ تنقید کسی ذاتی غرض سے نہیں - بلکہ محض بہ نظر احقاق حق اور اعلائے کلمتہ اللہ +

(۱۷) - اسلام اور قرآن مجید عرب کے ملک میں اترا ہندوستان اور بعض دیگر ممالک اور دیگر اقوام سے اس کا فاصلہ ہی دور نہیں تھا - بلکہ اُن ملکوں اور ان ملکوں کے اقوام سے شناسائی بھی نہ تھی - مگر باوجود اس کے بھی ایسے لوگوں کو ان کا حق دینے اور ان کی مذہبی حقیقت اور پوزیشن کی تائید اور تصدیق سے پہلو تہی نہیں کی گئی +

ایک حدیث میں آیا ہے - کہ رسول کریم (صلعم) نے فرمایا - کہ مجھے ہند کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے - یہ کلام اور یہ حدیث ۱۳ سو سال پہلے سے اس امر کی پیشین گوئی تھی - کہ ہندوستان کی دھرتی میں اسلام کا یوں نشوونما ہوگا - اور

شاید اس بات کی طرف بھی اجمالا ارشاد تھا - کہ ہندوستان کی سرزمین میں بھی کچھ نبی اور مرسل گذرے ہیں ؛

بعض اہلِ اسلام کا خیال

بعض مسلمانوں کا بھی یہ خیال ہے - کہ الہام کی بارش صرف یہودی اور عیسائی سرزمین میں ہی ہوئی ہے - یہ ان کی تنگ خیالی ہے - چونکہ ان کا واسطہ شروع میں یہود اور عیسائیوں سے ہی پڑا - اور قرآن مجید میں ہندوستان کے کسی نبی کا ذکر نہ آیا - اس واسطے بعض مسلمانوں کا یہی خیال ہوگیا - اگر وہ غور سے قرآن مجید پڑھتے اور یہ دیکھتے - کہ قرآن مجید اس بارہ میں کہاں تک آزاد خیال اور کشادہ مشرب واقعہ ہوا ہے - تو انہیں اپنے اس خیال کی قیمت معلوم ہو جاتی - یہ ایک ایسا خیال ہے - جس کی تائید میں نہ تو قرآن مجید ہے - نہ رسول مقبول اور نہ دوسرے بزرگان ملت یہ تنگ خیالی قرآن مجید اور اسلام کے حصہ میں نہیں آئی ہے - قرآن مجید نے تو نازل ہوتے ہی اعلان کر دیا :-

الحمد للہ رب العالمین -

اھدنا الصراط المستقیم

تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم

اس اعلان کے ساتھ ہی یہ بھی کہ دیا - کہ جیسے معاشری اور مادی رنگ میں خدا کی رحمت عام ہے - ایسے ہی وجدانی رنگ

میں بھی عام ہے۔ قرآن مجید چونکہ ایک آخری آسمانی صحیفہ ہے۔ اس واسطے یہ اُس کا فرض تھا۔ کہ وہی اس قصہ کی گتھیاں سُلجھائے۔ اور لوگوں پر واضح کر دے۔ کہ خدا کی رحمت عام ہے۔ اور اس کی روحانی بساط بڑی فراخ ہے۔ وہ اپنی حجت پوری کر کے لوگوں سے مطالبہ کرتا ہے۔ وہ ہر شخص اور ہر امت کو دلیل سے ملزم گرداتنا ہے۔ اور ثبوت ہونے پر فرد جرم لگاتا ہے۔ باوجودیکہ وہ سب کچھ جانتا بھی ہے۔ بلکہ بھی ثبوت اور اتمام حجت کے بعد فیصلہ دیتا ہے۔ چونکہ بعض لوگوں نے یہود اور عیسائیوں کے نقش قدم پر یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ نبوت اور الہام صرف دو تین اقوام ہی کا حق ہے اس واسطے وہ دوسری اقوام کو ان فضائل اور ان حقوق سے کوئی حصہ دینے میں تامل کرتے ہیں۔ جو لوگ یہود اور عیسائیوں کے سوائے کسی اور امت کو نبوت اور الہام کا اہل نہیں سمجھتے وہ سوچ سکتے ہیں۔ کہ یہ ایک تنگ نظری ہے۔ خدا سب کا ہے۔ بہ نحوائے

آیات قرآن مجید اپنے اپنے وقت پر یہ حق اور یہ
فضیلت ہر قوم اور ہر امت کو دی جاچکی ہے۔

اہل ہند بھی الہام اور نبوت سے فیض یاب ہوچکے ہیں۔ ہندوستان میں بھی نبی آتے رہے ہیں۔ ہندوستان کے بزرگان ملت میں سے بھی نبی اور اولیا اللہ ہوتے رہے ہیں۔ اگرچہ ہم بہ بعض وجوہ اس وقت ان کی تخصیص اور تشخیص سے کسی حد تک معذور رہیں۔ لیکن ہم بہ نحوائے آیات قرآن مجید۔ اور اجتہاد

اکابرین اسلام اس سے انکار نہیں کر سکتے - کہ دنیا کی کوئی امت بھی اس فیض اور اس نور ہدایت سے خالی نہیں رہی - یہ نور چین میں بھی چمکا اور ایران میں بھی شام کے لوگ بھی اس سے مستفیض ہوئے - اور دیگر حصص دنیا کی امتیں بھی اس سے بہرہ ور ہوئیں - کوئی قوم اس سے خالی نہ رہی - اور قدرت نے کسی کو یہ شرف دینے سے دریغ نہ کیا ٭

اگر آپ ہندوستان ایران وشام کے بزرگوں کی کیفیات زندگی جو زوائد اور بے ربط حواشی سے پاک اور صاف ہوں - پڑھینگے - تو آپ پر روشن ہو جاویگا - کہ ان اسلاف اقوام کی کیا کچھ تعلیم تھی - اور ان کی زندگیاں کیسی متبرک تھیں - یہ قول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ ہندوستان کے بعض متبرک لوگوں کی زندگیاں ثابت کر رہی ہیں - کہ ہندوستان میں نبی ہوتے رہے ہیں - نہ صرف نبی ہی - بلکہ اولیا اللہ بھی دیکھو حضرت بابا نانک صاحب کی زندگی کیسا پاکیزہ اور موحدانہ نمونہ پیش کر رہی ہے - وہ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور اولیا اللہ تھے - اُن کی تعلیم اُن کی متبرک زندگی کا ایک دلچسپ اور خوش آیند منظر ہے ٭

تنقید نبوت

یہ سوال بھی کیا جاوے گا - کہ اب کس طرح اور کن دلائل کے ماتحت یہ بات طے او ثابت ہو - کہ کس کس امت میں اور

کون کون لوگ آیات قرآنی یا اعلان. قرآن کا مرجع ہیں بے شک یہ سوال ایک پیچیدہ اور اہم سوال ہے - اور بے شک اُس تنقید میں ایک نظر بلیغ اور کاوش کی ضرورت ہے - لیکن تھوڑے سے غور کے بعد خود قرآن مجید ہی سے اس کا بھی جواب مل جاتا ہے۔

قرآن مجید بار بار وہ دین حنیف اور طریقہ تعلیم پیش کرتا ہے - جو کل امتوں کے نبیوں کو سکھایا گیا تھا - اور جو انسانی فطرت کے مطابق بھی ہے - پس اسی نصاب اور اسی اصول سے یہ فیصلہ بھی ہو سکتا ہے - کہ کون کون سے بزرگان اقوام سلسلہ نبوت اور سلسلہ اولیا اللہ میں آسکتے ہیں - اگرچہ ہم اس تنقید میں یہ پہلوے ناقدانہ قطعی فیصلہ نہ کر سکیں - لیکن مقدم تو یہ بحث ہے - کہ ہر امت میں نبی ہوئے ہیں یا نہیں اور یہ قرآن مجید کے رو سے ثابت ہے - اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا جب یہ ثابت ہے - تو مزید تحقیق کی ضرورت نہیں - کیونکہ قرآن مجید میں عمومیت نبوت کے ساتھ یہ بھی فیصلہ کر دیا گیا ہے - کہ

بہت سے نبیوں کا قرآن مجید میں ذکر نہیں بھی کیا گیا - دیکھو بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے صرف چند نبیوں ہی کا ذکر کیا گیا ہے - اس طرح ہندوستان - چین - شام اور ایران کے انبیا علیہم السلام کا ذکر بھی نہیں کیا گیا - ایسی تنقید کی صورت میں ہمیشہ یہ مد نظر رہنا چاہیئے - کہ مرور زمانہ کی وجہ سے بعض ممالک کے بزرگان ملت کی کیفیات زندگی بعض ضعیف روایات

کے تحت بظاہر دھندلا اور قابل اعتراض رنگ رکھتی ہیں۔ ناقدانہ رنگ میں ایسی روایات اور زاید حواشی کی تحقیق ہوسکتی ہے۔ اور بہ فحوائے ظن المومنین خیراً قرآنی معیار اور اسوہ حسنہ رسول مقبول کے مطابق رفتہ رفتہ یہ عقدہ حل ہوسکتا ہے۔ کہ ایسے بزرگان ملت کی اصلی زندگی کیا کچھ تھی۔

ہر مذہب و ملت میں بوجہ مرور زمانہ غلطہ روایات کی بھرتی ہوتی رہتی ہے۔ اور ان کی وجہ سے بعض بزرگان مذہب کی زندگیاں رفتہ رفتہ کچھ مشکوک معلوم ہوتی ہیں۔ ہر ایک قوم اور ملک کے بزرگان گزشتہ کی زندگیوں کی منصفانہ تنقید سے یہ بات ثابت ہوسکتی ہے۔ مہاراج کرشن جی اور زند و بدھ کی زندگیاں بعض روایات کے تحت جو کسی قدر دھندلا بن رکھتی ہیں۔ ناقدانہ رنگ میں اُن کی تنقید ہوکر ان بزرگان ملت کی حقیقت اور برکات و مدارج کا انکشاف اور فیصلہ ہوسکتا ہے۔ جب ہم قرآنی اصول کے مطابق تنقید کرینگے۔ اور قبل از تنقید کے یہ ذہن نشین کرلینگے۔ کہ ہندوستان چین و ایران اور شام میں بھی نبی اور اولیا اللہ ہوتے رہے ہیں۔ تو ہماری محققانہ راہ بہت کچھ صاف ہوجاوے گی۔ ساتھ ہی اس کے علمائے اسلام اور صوفیاے عظام کی تحقیقات مدرکات اور مشاہدات باطنی سے بھی مدد لینی چاہئے۔

بعض علماے کرام اور صوفیاے عظام نے اپنے اپنے ملفوظات میں اس بحث پر ایک معقول روشنی ڈالی ہے۔ بعض صوفیاے کرام نے اپنے روحانی مراقبہ اور مشاہدات وجدانی سے قرآنی اور

فطرتی پہلو مدنظر رکھ کر یہ ثابت کیا ہے۔ کہ دیگر امتوں اور دیگر اقوام عالم میں بھی نبی اور اولیا اللہ ہوتے رہے ہیں۔ صوفیائے کرام کے طریقۂ تنقید کی عظمت اس واسطے بھی ثابت ہے۔ کہ اُن میں سے بعض کی رائیں محض مورخانہ اور ناقدانہ ہی نہیں ہوتیں بلکہ اُن کا بہت کچھ حصہ روحانی مکاشفات سے بھی وابستہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ایسے مسائل کا حل اور فیصلہ روحانی قوتوں کی مدد سے بھی کرتے ہیں۔ جن کا منبع اور مصدر خود قدرت ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لو۔ کہ خدا کی الہامی رحمت بھی دیگر رحمتوں کی طرح کبھی کسی ایک قوم سے مخصوص نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ ایک آخری آنے والے (نبی صلعم) کے دور تک یہ باب ہر قوم اور ہر ملت پر علے قدر مشیت ایزدی کھلا تھا۔ پہلے مختلف نبیوں کے اقتدار سے یہ باب کھلتا اور یہ فضیلت ملتی تھی۔ خاتم النبیین کے مبعوث ہونے کے بعد یہ اقتدائے حضرت خاتم النبیین سید المرسلین۔ یہ شرف نصیب ہوتا ہے۔

نظام الہامی اور سلسلہ نبوت کا تا دور نبوت اخیر رسول عربی (صلعم) بھی مسلک تھا۔ کہ ہر قوم اور ہر امت کو اس کمال نبوت اور شرف الہام سے مفتخر کیا جاوے اُن میں مختلف زمانوں میں نبی بھی بھیجے گئے۔ بشیر بھی اور نذیر بھی اولیا بھی اور صاحب برکت بھی اخیر پر خاتم النبیین سید المرسلین کو ایک جامع کتاب قرآن مجید دیکر سب کو اُس مرکز مذہب پر کھڑا ہونے کی ہدایت کی گئی کہ جو مذہب بدو دنیا ہی سے کل نبیوں کو دیا گیا تھا۔ اور جس کا نام

اسلام ہی تھا۔ ہر ایک حجت پوری ہونے کے بعد یہ بساط بچھائی گئی ہے۔ جو شروع میں تھا وہی اخیر پر مجددانہ رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ جو کڑیاں جدا ہو گئی تھیں۔ انہیں پھر جوڑ دیا گیا۔

مرد آفرین مبارک بندہ است

پھر سُن لو

شاید اب بھی بعض لوگ معترض ہوں کہ کیوں اخیر پر ایسا ہوا۔ اور کیوں خطہ عرب میں لاکر رسول عربی خاتم النبیین سید المرسلین پر یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ اور کیوں کوئی اور ملک کوئی اور قوم اس کے واسطے انتخاب میں نہ آئی۔ اس سوال کی نسبت ہم مختصراً اوپر کی سطروں میں بھی بحث کر چکے ہیں۔ کچھ مزید بھی سن لو۔ یہ کچھ تعجب اور حیرت کی بات نہیں۔ چونکہ دور نبوت عرب میں ہی ختم ہوا تھا۔ اور سب سے اخیر پر اس کی باری تھی اس واسطے اُسی خطہ میں اُس کا خاتمہ بھی ہوا۔ اور مقدر یہ تھا کہ جس خطہ میں یہ خاتمہ ہو وہی خطہ سب فرائض اولیہ اور مابعدی کا کفیل بھی ہو۔

ہر چیز اور ہر کام کا ایک شروع ہوتا ہے۔ اور ایک خاتمہ یاد رکھو۔ یہی اس دنیا کی چال ہے۔ اگر کسی خاتمہ پر اعتراض ہے۔ تو شروع پر کیوں نہیں شروع کیوں ایسا ہوا۔ موقعہ تو فلاں اچھا تھا۔ اگر شروع پر کوئی اعتراض نہیں۔ تو خاتمہ پر

کیا اعتراض ہوسکتا ہے÷

دفتر قدرت میں ہر چیز اور ہر عمل کا ایک وقت اور ایک دَور مقرر ہوتا ہے۔ اُسی وقت اور اُسی دور کے مطابق اُس کا شروع اور خاتمہ ہوتا ہے۔کل امر مرہون باوقاتہا۔

چونکہ خاتمہ اسلام پر ہی تھا۔اس واسطے وہی سب کا جامع اور وہی کفیل بھی ٹھیرا÷

گر تو نمے پسندی تغیر کن قضا را

یہ بات ایک اور طرح بھی سمجھ میں آسکتی ہے۔یا آبانی چاہئے اسلام ہی دنیا کے موجودہ مذاہب میں سے ایک ایسا مذہب ہے جسے مقابلتاً اور مذاہب کے دیگر مذاہب کا خلاصہ۔یا نقش اوّل کہنا چاہئے۔جس قدر مذہب اسلام میں دنیا کی مختلف قوموں کے افراد شامل ہوئے ہیں۔اور کسی مذہب میں نہیں ہوئے ہیں۔ہنود اور یہود پارسیوں اور بدھ کی قریباً ایک ہی نسل چلی آتی ہے۔ اُن میں بہت تھوڑی نسلیں دوسری قوموں سے شامل ہوئی ہیں÷

عیسائی مذہب البتہ ایک ایسا مذہب ہے۔کہ جس کے مرید مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔لیکن اسلام کے مقابلہ میں وہ بھی نہیں آسکتا۔کیونکہ جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے اُن کا پہلا قومی شیرازہ بالکل ٹوٹ گیا۔اور ایک نئی بساط ہی بچھ گئی۔چونکہ اسلام کی یہ کیفیت تھی۔اس واسطے اسلام پہ ضروری ہوگیا۔کہ جو باتیں بعض امتیں مرور زمانہ اور غلط روایات

کی وجہ سے بھول چکی تھیں۔ ان کی بھی ساتھ کے ساتھ ہی یاد دلائی جاوے۔

تاکہ نو مریدان اسلام کو یہ پتہ لگ جاوے۔ کہ وہ کسی ایسے مذہب میں شامل نہیں ہوئے۔ جس کی ہر ایک بات اور ہر ایک عقیدہ دوسرے مذاہب کے مسلمات سے متاثر اور متضاد ہے۔ بلکہ ایک عالمگیر مذہب میں داخل ہوئے ہیں۔ جو کوئی نیا مذہب نہیں۔ بلکہ وہی مذہب یا اُس مذہب کا عکس صحیح ہے۔ جو شروع میں تھا۔ اور دنیا کے سب مشاہیر اور نبی اُسی مذہب کے موحد اور پرستار تھے۔

قرآن مجید میں کہا گیا ہے:-

لقد جئناهم بكتاب فصلناه على علم هدى ورحمة لقوم يؤمنون۔

یعنی اس کتاب میں ہر طرح کی تفصیل کر دی گئی ہے۔ اور وہ ایمان والوں کے واسطے ایک ہدایت اور ایک رحمت ہے۔

اسلام ایک تجدیدی رنگ میں سب مذاہب کو ایک ہی مرکز پر لانا چاہتا ہے۔ اور وہی پرانا سبق یاد دلاتا ہے۔ جو شروع ہی میں دیا گیا تھا۔ گو ہر شخص اور ہر قوم بمصداق کل حزب بما لدیہم فرحون۔ اپنے اپنے خیال میں مگن ہے۔ مگر غور کرنے والے جب مرکزی نشان پاتے ہیں۔ تو اُس پر جمع ہونا ایک صداقت خیال کرتے ہیں۔

بعض بزرگان اسلام کے اقوال اور اجتہاد

ہم اس ضمن میں ایک دو اولیائے ملت کے ملفوظات میں سے ایسے اقوال پیش کرتے ہیں۔ جن سے اس مسئلہ زیر بحث پر خصوصیت سے روشنی پڑتی ہے۔ جن بزرگوں کے اقوال کی نقل کی جاتی ہے۔ ان کی روحانی منزلت اور شان سیرت اسلامی دنیا میں ایک خاص شہرت رکھتی ہے۔ جن کا تقدس اور احترام مخفی نہیں۔

ان اقوال سے نہ صرف یہی ثابت ہے۔ کہ قرآن مجید کی اس تبلیغ کا اثر مدتوں سے اسلامی دنیا میں چلا آتا ہے۔ بلکہ یہ بھی۔ کہ مشاہیر اسلام ایسے مسائل میں تحت تعلیمات قرآن کہاں تک کشادہ دل تھے۔ اور باوجود انہماک معادیات ان کے خیالات میں کیسی آزادی اور فراخ دلی تھی اس سے ناظرین سوچ سکتے ہیں۔ کہ اسلام کیسے کیسے لوگ پیدا کرتا رہا ہے۔ اور باوجود بعض متضاد اتعانات کے بھی دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں کس پایہ اور کس روش کی تعلیم دیتا ہے۔ اور ایسی تعلیم اور کشادہ دلی کا انسانی تہذیب اور کشادہ دلی پر کیسا اثر ہو سکتا ہے۔ اکیسا

اثر ہونا چاہیئے - صوفیائے کرام کی یہی کشادہ دلی بہت سے لوگوں کی ہدایت اور اثر کا باعث ہوئی ہے - لاکھوں آدمی ان ہی حضرات کی بدولت مسلمان ہوئے ہیں - اور کیسے مسلمان جو اسلامی دنیا کی عزت و احترام کے کفیل اور درفشاں رہتے تھے - فیصدی حصے ۸۵ نو مریدان اسلام گویا حضرت صوفیائے کرام کی توجہات کا اثر ہیں ؎

(۱) حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اس بحث کے متعلق اپنے ایک مکتوب میں حسب ذیل ارشاد فرماتے ہیں -

(انتخاب مکتوب نمبر ۱

گزشتہ امتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے - جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو - حتےٰ کہ زمین ہند میں بھی جو اس معاملہ سے دور دکھائی دیتی ہے اہل ہند میں سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں - اور صانع جل شانہٗ کی طرف دعوت فرمائی ہے - اور محسوس ہوتا ہے - کہ ہندوستان کے بعض شہروں میں انبیاء علیہم السلام کے انوار اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں - اگر ان شہروں کو معین کرنا چاہیں - تو کر سکتے ہیں - کوئی تو ایسا پیغمبر گزرا ہے - کہ جس کی کسی نے تابعداری نہیں کی اور کوئی ایسا پیغمبر ہے - جس پر صرف ایک ہی آدمی ایمان لایا ہے - اور کسی پیغمبر کے تابع صرف دو ہی شخص ہوئے ہیں - اور بعض کے ساتھ صرف تین آدمی ہی ہوئے ہیں [illegible] جو کچھ واجب تعالےٰ کی نسبت ہند میں پایا جاتا

ہے - یہ سب انوار نبوت سے مقتبس ہے - کیونکہ گزشتہ امتوں میں ہر ایک کے زمانہ میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گزرا ہے - جس نے واجب تعالےٰ کے وجود اور اس کے ثبوت اور اس کے تنزیہ تقدیس کی نسبت خبر کی ہے - اگر ان بزرگ واروں کا وجود شریف نہ ہوتا - تو کس طرح لوگ اس طرف آتے +

اس جگہ اگر کوئی یہ سوال کرے - کہ اگر زمین ہند میں پیغمبر مبعوث ہوتے - تو اُن کے مبعوث ہونے کی خبر ضرور ہم تک پہنچتی +

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں - کہ ان مبعوث پیغمبروں کی دعوت عام نہ تھی - بلکہ کسی کی دعوت ایک قوم سے اور کسی کی ایک گاؤں یا ایک شہر[ل] سے مخصوص تھی - اور ہو سکتا ہے - کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالےٰ نے کسی قوم یا کسی گاؤں میں کسی شخص کو اس دولت سے مشرف فرمایا ہو - اور اُس شخص نے خدا کی طرف دعوت کی ہو - اور دوسروں کی عبادت سے منع کیا ہو - اور اُس قوم یا اُس گاؤں نے اُس سے انکار کیا ہو - اور ایسے انکار پر لوگوں پر عذاب

ل بنی اسرائیل میں ہی بعض انبیاء علیہم السلام کی ایسی ہی مختصر خدمات تھیں - بعض نبی چند روز ہی آئے - اور گروہ قبیل کی رہ نمائی کر کے رخصت ہوئے - کیا تعجب ہے - کہ ہندوستان کے نبیوں اور اتاروں میں سے بھی بعض ایسے ہی ہوں - اور میری رائے میں حضرت الف ثانی کا یہ خیال کسی روحانی مکاشفہ پر موقوف ہے فتدبر +

نازل ہؤا ہو:

اور اُس پیغمبر نے بھی اُن لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا ہو جو پہلے نے کیا تھا۔ اور اُس پیغمبر کے ساتھ بھی لوگوں نے وہی معاملہ کیا ہو۔ علےٰ ہذا القیاس اسی طرح ہوتا رہا زمین ہند میں گاؤں اور شہروں کی ہلاکت کے آثار بہت پائے جاتے ہیں۔ لوگ اگرچہ ہلاک ہو گئے لیکن وہ دعوت کا کلمہ اُن کے ہم سروں کے درمیان باقی رہا۔ اور اس کلمہ کو اس واسطے باقی رکھا۔ کہ شاید وہ رجوع کر آئیں۔ ان مبعوث پیغمبروں کی خبر ہم تک تب پہنچتی جبکہ بہت سے لوگ ان کے تابع ہوتے اور بڑی بھاری قوم بہم پہنچاتے جب ایک آدمی آیا۔ اور چند روز دعوت کر کے چلا گیا۔ اور کسی نے اُس کو قبول نہ کیا۔ پھر دوسرا آیا۔ اور اُس نے بھی یہی کام کیا۔

اس سوال کے جواب میں ہم معارضہ کے طور پر کہتے ہیں۔ کہ اگر ہندوستان میں انبیاء علیہم السلام مبعوث نہ ہوئے ہوں۔ اور ان کی زبان میں اُن کو دعوت بھی نہ کی گئی ہو۔ تو پھر اُن کا حکم بھی شاہق جبل کا حکم ہوگا۔ کہ باوجود سرکشی اور عدم تسلیم دعوت الوہیت کے دوزخ میں نہ جاویں اور ہمیشہ کے عذاب میں نہ رہیں۔ اس بات کو نہ تو عقل سلیم پسند کرتی ہے۔ اور نہ کشف صحیح اس کی اجازت دیتا ہے۔

مقامات حضرت امام ربانی میں لکھا ہے۔ کہ

مجھے ہندوستان میں بعض انبیا علیہم السلام کی قبریں دکھائی

گئی ہیں - جن میں سے نور طلوع ہوتا ہے ؛

اگرچہ مکاشفہ کی تنقید خود ایک کثافت ہی کر سکتا ہے - اور اس کا حکم زیادہ تر صاحب کشف ہی کے واسطے سند ہوتا ہے - مگر بزرگان مسلمہ اور اولیا اللہ کے مکاشفات ہمارے واسطے بھی ایک ذریعہ معلومات صحیحہ ہو سکتے ہیں - امام علیہ الرحمۃ کا یہ مکاشفہ اس قصہ پر پوری پوری روشنی ڈالتا ہے - کہ ہندوستان میں بھی نبی اللہ اور اولیا اللہ ہوتے رہے ہیں - اور ان کی قبریں بھی مکاشفہ میں انہیں دکھائی گئی ہیں - جن سے اُنہوں نے نور نکلتے دیکھا ہے ؛

(نمبر ۲)

انتخاب مکتوب حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ

ہندوؤں کا دین قواعد و ضوابط سے منتظم اور معجل ہے - ان قواعد اور ضوابط کے دیکھنے سے پایا جاتا ہے - کہ سرزمین ہند میں بھی خدا کے نبی اگلے زمانہ میں آئے اور شریعت قائم کی جس طرح اسلامی صوفیوں میں معمول ہے - کہ اپنے مرشد کا تصور کرتے وقت اور فائدے اُٹھاتے ہیں - اسی طرح ہندوؤں نے بھی ملائکہ - یا کاملین کی صورتیں بنائی ہیں - اور ان کی طرف بغرض حصول نسبت جس کو اصطلاح صوفیہ میں رابطہ کہتے ہیں - توجہ کرتے ہیں - مدت کے بعد صاحب صورت

کے ساتھ توجہ کرنے والے کو رابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔
اور حاجت روائی کی شکلیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ہندوؤں
کو سجدہ عبودیت نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی ڈنڈوت اور
حقیقت سجدہ (**التحیت**) ہے۔ جن کو عموماً وہ اپنے
بزرگوں اور مرشدوں کے روبروے کرتے ہیں*

حضرت مرزا ممدوح کی یہ تنقید گو بعض موجودہ حالات اور
کیفیات سے ایک بڑی حد تک مغایر ہے۔ مگر بت پرستی کا
رواج *

ایسے ہی افراط و تفریط کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام
ایسی تفریط افراط کے مخالف وعظ کرتا ہے۔ دیکھو اب اکثر
قومیں رفتہ رفتہ ایسے افراط و تفریط سے خود بخود ہی پیچھے ہٹ
رہی ہیں *

نمبر ۳

میری نظر سے یہ کتاب نہیں گزری۔ مگر میرے ایک دوست
نے یہ ذکر کیا تھا۔ کہ شہر لکھنؤ کے ایک مولوی صاحب مرحوم
نے بھی دو صدیاں گزرتی ہیں۔ کہ نبوت ہندوستان کی بابت
ایک محققانہ کتاب لکھی تھی۔ اور اس میں ثابت کیا تھا کہ بموجب
قرآن مجید۔

ہر امت اور ہر ملت کو نبی دئے گئے ہیں۔ اور کوئی قوم اس
شرف اور اس خصوصیت سے خالی نہیں رہی۔ اگر ہم حضرت مجدد
الف ثانی کے اجتہاد پر غور کریں گے۔ تو صاف ہو جاوے گا۔

کہ صرف اس وجہ سے انبیاء علیہم السلام ہند کا انکار کرنا کہ قرآن مجید میں اُن کا ذکر نہیں آیا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ اور اُن کی رائے مبارک میں یہ وجہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی ✣

مسلمان تو ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کہتے ہیں۔ کیا قرآن مجید میں سوائے چند نبیوں کے کسی اور کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور کیا ہم اس وجہ سے اُن نبیوں سے نعوذ باللہ انکار کر سکتے ہیں۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہوا ہے۔ ذکر کرنے والا خدا ہے۔ یہ اُس کی اپنی مرضی ہے۔ کہ کسی کا ذکر کرے اور کسی کا نہ کرے ✣

اگر فی الواقعہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہی نبی گزرے ہیں۔ تو کیا وہ صرف شام کے ملک میں ہی گزرے ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے۔ تو یہ ثابت ہونا مشکل ہے۔ یہ تعداد کل امتوں اور کل اقوام کو حاوی ہے۔ اس میں ہندوستان بھی آگیا۔ روس چین۔ جاپان و ایران بھی اور شام و توران بھی اس فیض سے کوئی امت خالی نہ رہی ✣

ہم کس رنگ میں تصدیق کرتے ہیں

ہم دوسرے مذاہب اور دوسری قوموں کے مشاہیر اور

اکابر کی جس رنگ میں تصدیق کرتے ہیں - وہ ایک ایسا رنگ رکھتی ہے - جو بہت کچھ عزت اور احترام کے قابل ہے - ہر شخص دوسری طاقتوں یا دوسرے اشخاص کو دو رنگ میں مانتا ہے:-

(الف) - اعتقادی رنگ میں:-

(ب) تعظیمی رنگ میں:-

اعتقادی رنگ - تعظیمی رنگ کو بھی محتوی ہے - جب کوئی شخص یا کوئی قوم اپنے عقیدہ کے تحت کسی بزرگ مذہب کی تصدیق کرتی ہے - تو اس صورت میں وہ ایک اعتقادی یا ایمانی رنگ ہوتا ہے - جس میں تعظیمی رنگ بھی شامل ہے مسلمان دوسرے مذاہب کے نبیوں کی صرف ایمان اور اعتقادی رنگ میں ہی تصدیق کرتے ہیں:-

اسلام اور قرآن مجید نے ایک چھوٹے سے فقرے:- لا نفرق بین احد من رسلہ میں یہ ساری بحث ختم کر دی ہے ہر ایک مسلمان پر لازم اور فرض ہے - کہ اعتقاداً اور ایماناً دوسری قوموں کے مسلمہ نبیوں کی تصدیق اور تائید کرے - مسلمانوں کے واسطے یہ ایک بڑی سخت قید لگادی گئی ہے - کہ وہ باعتبار نفس نبوت دوسری امتوں کے نبیوں پر بھی ایمان لائیں - اور نفس نبوت کے امتیاز سے نبیوں میں فرق نہ کریں - اگر وہ ایسا نہیں کرتے - تو مورد وعید قرآنی ہوتے ہیں - اس کشادہ دلی اور احقاق حق کے مقابلہ میں

دوسرے مذاہب کے لوگ اگر اکا دوکا یا شاذ و نادر اسلامی مشاہیر مذہب کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔ تو محض تعظیمی رنگ میں اور یہ افسوس کی بات ہے۔ کہ اُن کی تعداد اور اُن کا نمبر بھی کچھ زیادہ نہیں۔ یا لاکھ میں سے دو تین۔

سب مذاہب کے مقابلہ میں صرف قرآن مجید اور اسلام ہی اس کشادہ دلی سے پیش آیا ہے۔ اور کوئی مذہب اس شان اور اس بردباری سے اس راہ میں سے نہیں گزرا۔ کچھ تو اس کا باعث یہ ہؤا۔ کہ چونکہ ہر سابقہ مذہب بجائے خود ایک ہی قوم سے وابستہ ہوتا تھا۔ اور ایک ہی سرزمین میں اُس کی حکومت روحانی تسلیم کی جاتی تھی۔ اُن کے مشاہیر مذاہب کو ایسی ضرورت ہی نہ پڑی۔ کہ اس قسم کا اعلان کریں اور کچھ بایں وجہ کہ وہ ضمنی مذاہب تھے۔ اگرچہ بعض صحائف اور بعض کتب سماوی میں بعض موخر مشاہیر مذاہب کی نسبت بھی مختلف رنگوں میں پیش گویاں کی گئی ہیں۔ اور پیچھے آنے والوں کو اُن کی اطاعت اور اتباع کی تحریک بھی کی گئی ہے۔ مگر چونکہ ایسی پیش گویاں عموماً کچھ نہ کچھ حجاب رکھتی ہیں۔ یا زیادہ تر صاف نہیں ہوتیں۔ اور اکثر تاویلات کی ہی ضرورت پڑتی ہے۔ اس واسطے ان کا اثر عام طور پر اس قدر روشن نہیں ہوتا۔ کہ صراحتاً یہ فیصلہ ہوسکے۔ کہ مذاہب سابقہ کے بعد جو مذہب آئے ہیں۔ اُن کے ساتھ مذاہب سابقہ کا ایسا واسطہ اور ایسا تعلق ہے۔ اور اُن میں

اصولی پہلو سے ایسا اتحاد ہے۔

اگر پیشین گویاں صاف اور کھلی ہوتیں - تو مذاہب میں اس قدر بعد بھی نہ رہتا - اور پیشین گوئی کی تعریف ہی یہ ہے - کہ

اُس کا کچھ حصہ مبہم بھی ہوتا - کہ لوگ اپنی عقل و فراست سے اُس کا مصداق تلاش کریں - اور ایک کوشش سے ایک گم گشتہ دولت کا پتہ لگائیں۔

ایک فیصلہ طلب امر

جو مذاہب کسی حد تک تنگ دلی سے دوسرے مذاہب کے انبیائے گذشتہ کے تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں - ان کے ذمہ بہ قول حضرت مجدد الف ثانی ؒ اس صورت میں ایک بڑی جوابدہی باقی رہ جاتی ہے - اور اب تک وہ اس کا جواب دینے سے معذور ہیں۔

انہیں یہ بات مان لینی پڑے گی - کہ جس طرح خدا اور خدا کا قانون اُن کے واسطے ضروری اور لازمی ہے - اُسی طرح یہ اور قوموں اور نسلوں کے واسطے بھی ضروری ہے اگر اُن کے سوا خدا کسی اور قوم کے کسی ممبر اور بشر کے ساتھ مخاطب نہیں ہؤا - یا خدا نے کسی اور قوم کو کوئی قانون نہیں دیا تو خدا پر نعوذ باللہ یہ ذمہ واری عائد ہوتی ہے - اور ہمارے

پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے ٭

دنیا کے مذاہب میں سے بہت سے ایسے مذاہب بھی ہیں۔ کہ جن کے ہادیوں نے دوسری قوموں تک اپنا پیغام پہنچایا ہی نہیں۔ اور ان کے صحائف مذہبی ہیں۔ اس کی بابت انہیں مجبور بھی نہیں کیا گیا۔ کیا ہم اس سے یہ ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ

دوسری مخلوق کے واسطے کسی ہادی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اگر ہمارا جواب یہی ہے۔ تو میری رائے میں اس کی کوئی قیمت نہیں پڑ سکتی۔ ہر قوم اور ہر ملک فیضان روحانی کے متعلق ایک ہی قسم کا حق رکھ سکتا ہے۔ اور خدا کی رحمت ہر گوشہ دنیا کے واسطے روحانی رنگ میں ایک ہی قسم کی ہونی چاہیئے ٭

اسلام کی تعلیم اور دعوے

اس کے ساتھ ہی کہ مسلمان ہر مذہب کے مسلمہ مشاہیر اور بزرگوں کی تصدیق کریں۔ اور اُن پر ایمان لائیں۔ قرآن اور اسلام کا یہ بھی دعوے ہے۔ کہ وہ ایک آخری مذہب اور آخری صحیفہ ہے۔ لازمی تھا۔ کہ اس بڑے دعوے کے ساتھ وہ اس بات کا بھی فیصلہ کر دے۔ کہ اُس سے اول جو لوگ گزرے اور جو جو صحائف نازل ہوئے ہیں۔ ان کی بابت معتقدین اسلام کا طریق عمل کیا ہونا چاہیئے ٭

اگر ایک طرف قرآن اور اسلام نے یہ بات ظاہر کی - کہ ہر قوم کے واسطے کسی نہ کسی ہادی کی ضرورت ہے - تو دوسری طرف یہ بھی جتا دیا کہ ایسا ہؤا بھی ہے - اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی - کہ جو لوگ ایسے گذرے ہیں - مسلمانوں پر ان کی تصدیق لازمی ہے +

اس کی نسبت سوائے اس کے اور کوئی سوال نہیں ہو سکتا - کہ خدا نے ایسا کیوں کیا - اور اس کی کیا ضرورت تھی +

میری رائے میں ہم یہ سوال خدا کے مقابلہ میں کر ہی نہیں سکتے - کیونکہ اُس کی قادر مشیت ہماری مشیت کے تابع نہیں ہے - اس کی مشیت یوں ہی تھی - اور اس کی مرضی کے تابع یہ روحانی سلسلہ نجیں یہیں پر ختم ہونا تھا - اور اُس کا انجام اسی منزل کا جویاں تھا +

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیوں اب ایک اور سورج اور ایک چاند پیدا نہیں کیا جاتا - اور کیوں بعض دنیا کے سلسلے ختم ہو جاتے ہیں تو اس کا جواب اس کو سوائے اس کے اور کیا دیا جا سکتا ہے :-

گر تو نمے پسندی تغیر کن قضا را

مذہب اسلام کے اور ادعادی اور اور تعلیمات کو چھوڑ کر جب صرف اسی ایک دعوے پر غور کرتے ہیں - تو ہمیں انصاف سے کہنا پڑتا ہے - کہ اس تعلیم اور اس اعلان سے اسلام اور قرآن کی صداقت اور احقاق حق پر ایک ایسی روشنی پڑتی ہے - جو تمام مذاہب کے مقابلہ میں ایک نرالی شے اور انوکھی برہان ہے -

اور یہ دعوے بھی اس فراخ دلی اور اس تحدی سے کیا گیا ہے کہ جو بجائے خود ایک برہان اور ایک فیصلہ ہے۔

تطبیق مذاہب

اس وقت مختلف مذاہب اندرونی اور بیرونی میں جو اختلافات اور تناقض نشوونما پا رہے ہیں۔ اُن سے ایک عام آدمی بھی یہ خیال کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ کہ باوجود ان دعاوی اور اس وحدت کے اُن میں اس قدر تضاد اور تباین کیوں ہے۔ اگرچہ یہ نقص رفع ہونے کی ایک پوری حد تک کبھی بھی امید نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اگر ہم اختلاف خیالات کی وجہ سے دلوں میں کاوش اور بغض کا مواد جمع نہ کریں۔ تو اُس کا بُرا اثر کسی حد تک رفتہ رفتہ کم ہو سکتا ہے۔

سب مذاہب کی بعض باتیں اور بعض روایات۔ یا بعض تہذیبیں آپس میں ملتی جلتی ہیں۔ صرف دیگر فروعی یا نمائیشی اختلافات کی وجہ سے ایسی باتوں کی نسبت بھی آئے اُن کے جھگڑے شروع رہتے ہیں۔ اگر ہم ان کی ایک حد تک تطبیق کر سکیں۔ تو یہ زاید خرخشے ایک حد تک یا تو ختم ہو سکتے ہیں۔ اور یا اُن کا اختلاف ایک خوبی کے ساتھ کم ہو سکتا ہے۔

یہ بات بالخصوص، اُن امتوں اور ان قوموں کے واسطے لازمی اور مفید ہے۔ جو مختلف مذاہب کے گود میں ایک ہی ملک

کے اندر پرورش پا رہی ہیں - اور جن کا رشتہ ملکی ضروریات کے تحت ٹوٹ نہیں سکتا - فرض کرو - ایک ملک یا چند قوموں کے مختلف مذاہب ہیں ۵۰ باتیں مختلف فیہ ہیں اگر تطبیق سے کسی وقت بجائے پچاس کے ۳۵ رہ جاویں - یا ۵ باتیں کے اختلافات کسی حد تک کم ہو جاویں - یا اُن میں ایک قسم کی صلاحیت ہو جائے - تو کیا یہ کمی اور یہ صلاحیت مختلف الخیال قوموں کے واسطے ایک حد تک طمانیت کا موجب نہ ہوگا - اور کیا اس کا دوسرے مادی امور پر اثر نہیں پڑے گا - اور کیا اس سے ایک قوم دوسری قوم کے قریب تر نہیں آتی جاویگی؟

کوئی رنگ چاہئیے

ہم نے اوپر کہا ہے - کہ مسلمان اعتقادی اور ایمانی رنگ میں دوسرے مذاہب کے انبیا علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں - اور اس کی بابت وہ یہ منشاء ہے لا نفرق بین احد من رسلہ اخیر تک مجبور ہیں - یہ رنگ چھوڑکر دوسری قومیں کم سے کم تعلیمی اور اخلاقی رنگ میں تو اسلامی بزرگوں کی عظمت کا اعتراف کر سکتی ہیں - ہمیشہ اتحاد باہمی کے واسطے بڑے بڑے لیکچر دئے جاتے ہیں - اور اس پر ایک ملک اور چند قوموں کی بہتری اور بہبود کا انحصار بتایا جاتا ہے - لیکن جو اصلی راہ اس منزل پہ پہنچنے کی ہے - اس کا ذکر ہی نہیں کیا

جاتا۔ ملک اور بعض قومیں باوجود تمرّد مذہبی کے بھی مذہب پرست رہتی ہیں۔ اور اُن کے رگ و ریشہ سے مذہبی خیال نکلتا نہیں بالکل نہیں سکتا۔ ایسی قومیں جب تک مذہبی راستہ سے اتحاد کی داغ بیل نہیں ڈالیں گے۔ تب تک اُن کا میلان اور اتحاد میری رائے ناقص میں مشکل ہے۔ اسلام اور قرآن اس مرحلہ میں پیش قدمی کر چکا ہے۔ اور جس راہ پر وہ چلا ہے۔ وہ دیگر تمام مذہبی اختلافات کو چھوڑ کر دوسری قوموں کے غور اور توجہ کے قابل ہے۔ قرآن کہتا ہے:۔

میں تمہارے بزرگوں کی قدر کرتا ہوں۔

اور ان پر ایمان لانا اور اعتقاد رکھنا مذہبی رنگ میں معتقدین اسلام پر لازمی گردانتا ہوں۔

اگر کوئی مسلمان اُن میں فرق کریگا۔ تو میں اسے دائرہ اسلام سے باہر سمجھتا ہوں۔

یہ ہیں قرآن کے ارشادات یہ ہے اسلام کی کشادہ دلی اس پر مسلمانوں کو جو جواب ملتا ہے۔ وہ بہت کچھ دل شکن ہے۔

اس سے اسلام کی غرض کیا ہے۔

اس تعلیم اور اس اعلان سے آخر اسلام اور قرآن کا مدعا کیا تھا۔ اور کیوں مذہب اسلام اور قرآن ایسا کہتا ہے۔ اُسکی تین غرضیں ہوسکتی ہیں۔

(الف) تصدیق سابقین۔
(ب) - دعوت وحدت - دعوت اسلام
(ج) - تصدیق خاتم النبیین۔

کیا کوئی شخص با وجود چند در چند اختلافات کے بھی ان دونوں اغراض سے نفرت گزیں یا بیزار ہو سکتا ہے۔ کیا اس وقت کل دنیا رفتہ رفتہ یا کشاں کشاں اس طرف آ نہیں رہی۔ اور کیا اس پر دنیا کی ساری قوموں کا خیال نہیں لگ رہا۔ اور اس کی ضرورت خود بخود محسوس نہیں ہو رہی +

اگر یہ کہا جاوے کہ اس کے ضمن میں اسلام اور قرآن اپنی ہی تصدیق کراتا ہے۔ اور خود کو مقدم رکھتا ہے۔ جس سے دوسری مذہبی ہستیاں ملیا میٹ ہو جاتی ہیں +

تو یہ ماننا پڑے گا۔ اور اسمیں شک بھی نہیں کہ اسلام اپنی طرف ہی سب کو بلاتا اور دعوت دیتا ہے۔ مگر کب جب وہ دوسری طرف اپنی طرف آنے والوں سے سارے سابقون اسلام کی اعتقادی اور ایمانی رنگ میں تصدیق کراتا ہے۔ بغیر اس کے وہ کسی کے ڈپلوما اسلامی پر دستخط کیا ایک لفظ بھی نہیں ڈالتا۔ یہ اُس کی آزاد بیانی ہے۔ کہ وہ وحدت کی طرف ان شرطوں کے تحت لاتا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے۔ کہ تمہارے اسلاف کا مذہب بھی اسلام ہی تھا۔ کیونکہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں۔ وہی پرانا مذہب ہے اور ساتھ ہی وہ بہ فحوائے

لا اکراہ فی الدین

کسی کو اس طرف آنے کے واسطے مجبور بھی نہیں کرتا۔ صرف اُدع الیٰ سبیل ربک بالحکمتہ والموعظت الحسنۃ۔ وجادلہم بالتی ھی احسن کی راہ دکھاتا ہے۔

جب اس میں کوئی مجبوری بھی نہیں۔ تو کیا قومی یا اخلاقی مصلحتوں کے واسطے مختلف قومیں صرف اخلاقی اور تعظیمی رنگ میں بھی اسلامی مشاہیر کی تعظیم نہیں کرسکتیں۔ اس سے نہ تو وہ مسلمان ہوسکتی ہیں۔ اور نہ قرآن کے ماننے والی ہم جو دوسرے مذاہب یا دوسری قوموں کے مسلمہ مشاہیر اور بزرگان مذاہب کی تصدیق اور اعتقادی رنگ میں بھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور ان کی شان علیا میں بھولے بھی کوئی بے ادبی کا کلمہ نہیں کہتے۔ تو کیا ہم یہودی و عیسائی اور ہندو یا سکھ بن گئے ہیں۔ اور اپنے دائرہ مذہب سے نکل چکے ہیں۔

مشکل تو ہمارے واسطے ہے۔ کہ ہم اعتقادی اور تعظیمی دونوں رنگ میں دوسرے مذاہب یا دوسری اقوام کے بزرگوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ کچھ اور خیال رکھتے ہیں۔ ہم تو ایک آسانی سے اپنے مذہب سے نکل سکتے تھے۔ کیونکہ ہم اعتقادی رنگ میں ایسا رویہ رکھتے ہیں۔ لیکن محض اخلاقی اور تعظیمی رنگ میں ہمارے خاتم النبیین سید المرسلین شہیر اعظم ذات مقدس حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں کلمات نامرغوب اور الفاظ نامطبوع کے عدم اطلاق سے دوسری قومیں اور دوسرے لوگ کس طرح کسی گھاٹے میں رہ سکتے ہیں۔ اور کس طرح اپنے حدود مذہبی سے نکل سکتے ہیں۔ اور یوں بھی تو وہ قوانین

سیاسی کے تحت ان کی شان عظمٰے میں کوئی بے ادبی نہیں کر سکتے۔ جب یوں بھی وہ مجبور ہیں تو پھر براہ راست اخلاقی یا تعظیمی رنگ میں ہی کیوں نہ یہ فرض پورا کیا جاوے +

قومی اور ملکی اتحاد کے واسطے اور جو چند در چند تجویزیں سوچی جاتی ہیں۔ دنیا کی قومیں یہ آسان راستہ کیوں نہیں اختیار کرتیں۔ اور کیوں یہ منزل اس آسان راہ سے طے نہیں کی جاتی۔ اور کیوں اس پر قومیں اتفاق نہیں کرتیں +

کون ذمہ وار ہیں

باوجود اس کے کہ ہم جانتے ہیں۔ اور صرف جانتے ہی نہیں بلکہ اس کی ضرورت کا بھی احساس کرتے ہیں۔ کہ دنیا میں اتفاق اور اتحاد کی ضرورت ہے۔ اور اس کے بغیر تسکین نہیں۔ پھر بھی ہم خود بخود وہ راہیں لیتے ہیں۔ اور اُن مراحل سے گزرتے ہیں کہ جو ہمیں رفتہ رفتہ بہت دور لے جا رہے ہیں +

مذہب کی اصلی غرض صلح اور آشتی ہے۔ جب ایک مذہب دوسری قوموں اور دوسری نسلوں کو اپنی طرف دعوت دیتا اور توجہ دلاتا ہے۔ تو اس کا مطلب اور مدعا دوسرے الفاظ میں یہی ہوتا ہے۔ کہ سب لوگ ایک ہی ملت کے تحت اور ایک ہی سٹیج پر آ جاویں۔ اگرچہ ایسا ہونا کلیتاً بظاہر حالات مشکل ہے۔ مگر ایسی تبلیغ کا منشاء ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔

اسلام ایک مفید صلح پیش کرتا ہے۔ یعنی یہ چاہتا ہے۔ کہ تمہارے مشاہیر مذاہب کے مقابلہ میں جو روش میں رکھتا ہوں۔ وہی تم بھی رکھو۔ کیا اس اعلان کی ذمہ واری دوسری قوموں پر عائد نہیں ہوسکتی اور کیا اسلام اور قرآن نے ہمیں یہ موقعہ نہیں دیا۔ کہ ہم ایک خصوصیت سے اگر اور کچھ نہیں تو صرف اس ضرورت کو ہی پورا کریں۔ اور کم سے کم اُن فوائد سے ہی مستفید ہوں۔ جو اس کی تکمیل میں مستتر ہیں؟

باوجود قرآن مجید اور اسلام کے اس دعوے یا اُس صورت کے بھی اگر کوئی یہ کہے۔ کہ قرآن مجید یا اسلام تنگ دل ہے۔ یا وہ صلح کی بنیاد نہیں رکھتا۔ تو میری رائے ناقص میں وہ ایک ایسی راہ لیتا ہے۔ جو بہت ہی بکڑی اور تنگ ہے۔ مذاہب میں بڑی بات یا بڑا عنصر ہادیان مذاہب ہی ہوتے ہیں۔ جب اسلام اور قرآن مجید اپنے رنگ میں اور اپنے معیار کے مطابق دیگر مذاہب کے ہادیان کو جہاں تک کہ وہ ثابت کر چکا ہے۔ یا اسلامی ہدایات کے مطابق ثابت ہوسکتے ہیں۔ تسلیم کرتا ہے۔ اور ان کی تصدیق کو اپنے معتقدین پر بھی لازمی گردانتا ہے۔ تو مان لینا چاہیئے۔ کہ وہ دیگر ادیان کے ایک جزو اعظم یعنی ان کے ہادیان کو اپنے رنگ میں مقبول واجب التعظیم نبی مان چکا ہے۔ اور بعض کو اولیا اللہ رہیں باقی فروعات اس کی بابت اسلام کسی کو روکتا نہیں۔ کہ کوئی ان کی بابت تصدیق اور تنقید نہ کرے۔ ایک دفعہ نہیں سو دفعہ کرے۔ اور انصاف سے دیکھے کہ اسلام کہتا کیا ہے اگر کوئی ایسا کرنے پر بھی تیار نہ ہو۔ اور دوسری طرف سے اس کی دوسری خواہشات ضرورت اتحاد سے بھی مستغنی

نہ ہوں - تو کیا اُس کا یہ فرض اور اس کی یہ ذمہ واری نہیں - کہ وہ اعتقادی یا ایمانی رنگ کو چھوڑ کر صرف اخلاقی اور تعظیمی رنگ میں ہی ایک مؤدبانہ روش اختیار کرے -

جو لوگ بعض وقت ہادی اسلام یا نبی اسلام کی شان عظمےٰ میں کراہت جیز اور نفرت آمیز الفاظ یا کلمات کہ کر اپنی طبیعت کا رنگ پیش کرتے ہیں - دراصل وہ ہادی اسلام کی اُس شان سے یا تو واقف نہیں ہیں - جو اُنہیں حاصل ہے - اور یا جان بوجھ کر اُن فرائض سے چشم پوشی کرتے ہیں - جو اخلاقی - تعظیمی اور ادبی رنگ میں ہر ایک سمجھ دار اور بردبار شخص پر عاید ہوتے ہیں ٭

مسلمانوں کا فرض

لا نفرق بین احدٍ منھم ونحن لہٗ مسلمون ٭

ہم اگر دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب کے بعض مشاہیر کی تحت لا نفرق بین احد من رسلہ اعتقادی اور ایمانی رنگ میں تصدیق کرتے ہیں - تو ہم دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب پر کوئی احسان نہیں کرتے - یہ ہمارا عقیدہ اور ہمارا ایمان ہے ٭

دوسری قومیں اور دوسرے مذاہب کے لوگ نعوذ باللہ - چاہے ہمارے مشاہیر کی شان عظمےٰ میں کچھ ہی کہیں اور ہمارا دل کیسا ہی جلے - مگر ہم اس صدمہ سے اُن کے بزرگان ملت کی شان

ہیں ایک حرف بھی نہیں کہ سکتے۔ کیونکہ اگر ہم ایسا کہیں۔ تو خود ہمارا عقیدہ اور ہمارا ایمان ہمیں اس سے روکتا ہے۔ ؎

جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم
سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

جب ہم اس قدر مجبور ہیں۔ اور ہمارا مذہب اور ہمارا ایمان ہمیں اس قدر روکتا ہے۔ تو ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم کسی حالت میں بھی دوسرے مذاہب اور دوسرے ادیان کے بزرگان ملت کی شان میں کوئی ایسا لفظ منہ سے نہ نکالیں۔ جو موجب ان کی تحقیر اور توہین کا ہو۔ اور جس سے ہم اس عید میں آجاویں۔ جو آیت کریمہ لا نفرق بین احد من رسلہ میں موعود ہے ؎

بے شک باعتبار بشریت یا جذبات بشریت بعض وقت ہم مسلمانوں کے واسطے یہ مشکل ہوتی ہے۔ کہ دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب کے لوگ ہمارے مشاہیر بالخصوص ہمارے رسول مقبول کی شان میں بیجا کلمات کہ دیتے یا لکھ دیتے ہیں۔ ہمارے دل و دماغ پر اس وقت جو کچھ گزرتی ہے۔ ہم ہی اس کا وزن کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اپنے رسول مقبول سے ہمیں جس قدر محبت ہے۔ اس کا اندازہ ہم خود ہی لگا سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ خود وہی رسول مقبول ہی ہمیں اس مقابلہ سے روکتے اور بند کرتے ہیں۔ اس واسطے چار و ناچار ہمیں خاموش رہنا ہی زیبا ہے ؎

تسلیم بود شیوہ مومن

بعض وقت ہم دیگر اقوام یا دیگر مذاہب کے بعض مسلّمہ مشاہیر کی لائف یا سوانح عمری میں چند بے ربط اور نامناسب باتیں اور ناموزوں روایات بھی پاتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ تحت اسلامی روایات کے ان کی تاویل اور تعبیر ایک اچھے رنگ میں کریں۔ کیونکہ بعض وقت تاریخی روایات اور تاریخی مناقص کی وجہ سے ایسے مشاہیر کے متعلق بہت سی باتیں خواہ مخواہ بھی بیان کی گئی ہیں۔ ہمیں ان کے اصلی قدس اور فضیلت۔ کے تحت بہر حالت اُن کی تعظیم وتکریم ہی کا پہلو لینا چاہیئے یہی طریقہ ہمارے واسطے ایک سلیم اور مامون طریقہ ہے۔ دیکھو بائیبل میں بعض نبیوں کے متعلق بعض ایسی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ جو عام اخلاق سے بھی بعید ہیں۔ کیا ہم ایسے اولوالعزم نبیوں کی شان میں چند ایسی روایات کے تحت کچھ کہ سکتے ہیں۔ ہمیں اسی طرح دوسرے مذاہب کے مشاہیر کی شان میں بھی ناموزوں بے باکانہ الفاظ کہنے اور سننے سے باادب خاموش رہنا چاہیئے۔ جواب دینے کو تو ہم بھی دے سکتے ہیں۔ اور بہت کچھ دکھا بھی سکتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں ہمارا مقابلہ ان مقدسوں سے جا رہتا ہے۔ جن کی تعظیم اور تکریم ہم پر واجب کردی گئی ہے۔ اور جن کی شان میں ایک تھوڑی سی بے ادبی بھی ہمیں چند وعیدات کا مصداق بناتی ہے۔ ہمیں اس صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ جو ہمیں ہمارا مذہب دکھاتا

ہے۔ کوئی وقت ایسا آوے گا۔ کہ ہماری یہ کشادہ دلی اور قرآن مجید کی یہ تعلیم اور ہمارے رسول مقبول کا شجر اسوہ حسنہ ضرور پھل لاویگا اور مختلف قومیں رہ رہ کر اس سے شیریں کام ہوں گی۔ ضروریات زمانہ انہیں رفتہ رفتہ ادھر لائیں گی۔ اور ان پر کھل جاوے گا۔ کہ قرآن مجید اور رسول مقبول کی کشادہ دلی کا یہ جواب نہ تھا۔ کہ جو اس وقت بعض کی طرف سے مل رہا ہے۔ قرآن مجید اور رسول مقبول (صلعم) کی تعلیم اور ذات ایسی نہیں۔ کہ قومیں اس کی قیمت نہ ڈالیں۔ ۔

شغل عشق تو گزیدم کہ محبت ایں است
مگر اے شوخ بہ کشیں تو مروت ایں است

اب میں چند شعروں پر یہ رسالہ ختم کرتا ہوں۔ یہ رسالہ مجادلہ اور بحث کی غرض سے نہیں لکھا گیا۔ بلکہ اس واسطے۔ کہ قرآن مجید اسلام اور رسول مقبول کی کشادہ دلی احقاق حق کا اعلان کیا جاوے۔ اور لوگوں کو یہ توجہ دلائی جاوے۔ کہ بجائے مجادلہ لڑائی فساد کے تطبیق مذاہب پر زور دیں۔ اور اس حقیقت کی تلاش میں لگ جاویں۔ جو فطرتی رنگ میں تسکین بخش ہے اسلام کوئی نیا مذہب نہیں ہے۔ وہی مذہب ہے۔ جو تمام دنیا کے نبیوں کا مذہب رہا ہے۔ چاہے۔ وہ نبی شام کے ہوں چاہے روم کے۔ چاہے ایران و توران کے اور چاہے ہندوستان کے رسول عربی بھی وہی پیغام لائے ہیں۔ جو دوسرے نبی لائے تھے۔ اور ان ہی پر پیغام رسانی کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ

وہ خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں۔ اور یہی آخری سلسلہ سب دیگر سلسلوں کا قائم مقام اور مختتم قرار پایا۔

تعالوا الیٰ حکمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم۔

۷۸۶

چند اشعار

امتے ہرگز نہ بودہ در جہاں
کاندراں نامد بوقتے منذرے
ہر کہ شکر نعمت او نارد بجا
ہست او آلائے حق را کافرے
آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند
متحد در ذات و اصل گوہرے
اول آدم آخر شان احمدؐ است
اے خنک آں کس کہ بیند آخرے
انبیا روشن گہر ہستند لیک
ہست احمدؐ زاں ہمہ روشن ترے
آں ہمہ کان معارف بودہ اند
ہر یکے از راہ مولا مخبرے
ہر کرا علمے ز توحید حق است

ہست اصل عاشقی از پیغمبرے
آں رسیدش از راہِ تعلیم ہا
گو شود اکنوں زنخوت منکرے
ما ہمہ پیغمبراں را چاکریم
ہم چو خاکے افتادہ بر درے
ہر رسولے کو طریق حق نمود
جانِ ما قربان براں حق پرورے
اے خداوندم بہ خیلِ انبیاء
کش فرستادے بہ فضلِ اوفرے
معرفت ہم دادہ چو بخشیدی دلم
مے بدہ زاں ساں کہ دادی ساغرے
اے خداوندم بنامِ مصطفٰے
کش شدے در ہر مقامے ناصرے
دست من گیر از رہِ لطف و کرم
در مہم باش یار و یاورے
تکیہ بر زورِ تو دارم گرچہ من
ہم چو خاکم بلکہ زاں ہم کمترے

۲۲- اکتوبر ۱۹۱۷ء (ننکانہ صاحب)

فہرست کتب مصنفہ میرزا سلطان احمد خانصاحب

مطبوعہ

۱	سسی پنوں پنجابی
۲	مرات الخیال
۳	صدائے الم
۴	تبیین الحق
۵	معیار اصول
۶	اخلاق احمدی
۷	ریاض الاخلاق
۸	سراج الاخلاق
۹	رفیق
۱۰	فرحت
۱۱	صداقت
۱۲	نظم خیال
۱۳	بزم خیال
۱۴	یادگار حسین
۱۵	راز الفت
۱۶	دل نواز
۱۷	دل سوز
۱۸	الفتنہ
۱۹	زہبندارہ بنک
۲۰	تشبیر باطن
۲۱	حیات صادقہ
۲۲	فن شاعری
۲۳	خیالات
۲۴	امثال
۲۵	اساس الاخلاق
۲۶	نسار المسلمین
۲۷	الصلوٰۃ
۲۸	نبوت

غیر مطبوعہ

۲۹	اسوہ رسول
۳۰	ملّت
۳۱	فلسفہ
۳۲	زبان
۳۳	الوجد
۳۴	طلاق و کثرت ازدواج
۳۵	علوم القرآن
۳۶	اصول خمسہ اسلام

ط افسوس یہ کتاب چھاپہ خانہ میں بھیجی اور گم ہوگئی۔

یہ آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس تعلیمات، مجلس انتظامی ایک وقت میں دس کتابیں ایک ماہ کے لئے لے سکتے ہیں۔
عہدہ داران شعبہ جات نصاب پانچ کتابیں ایک ماہ کے لئے لے سکتے ہیں۔

۲۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ و کلیہ جات ملحقہ تین کتابیں ایک ماہ کے لئے لے سکتے ہیں اور اہم کتب دو ہفتہ کے لئے۔
اراکین دار الترجمہ و شعبہ تصنیف دو کتابیں ایک ماہ کے لئے لے سکتے ہیں۔

۳۔ طلبائے ایم۔ اے و ایل ایل بی دو کتابیں اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔
بی اے کے طلبہ ایک کتاب ...
پانچ کتابیں۔

۴۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ہوں تو فی کتاب روزانہ ... جرمانہ لیا جائیگا۔ ...
ایک آنہ یومیہ فی کتاب ...

۵۔ بشرط ضرورت کتابیں قبل از وقت طلب کی جا سکتی ہیں۔
کتب خانہ میں کتاب کا لانا لازم ہے۔

۶۔ کتابیں گم یا خراب ہو جائیں تو ... قیمت ادا کرنی ہوگی۔

۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان یا ... نہ لگایا جائے۔

۸۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں جاری نہیں کی جا سکتیں۔ فقط